اسلام اور
تھیا کریسی

Marfat.com

صل
کے
بریں
اقر
لغز
معاف

امکانی حد تک کوشش کی ہے کہ جہاں جہاں سے جو کچھ اخذ کیا گیا ہے اُس کی پوری ں نشاندہی کی جائے مگر اس حقیقت کا مجھے اعتراف ہے کہ اس میں کامیاب یں ہو سکا۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ کسی فرد کی فکری تعمیر میں بہت سے عوامل شامل تے ہیں، چند شعوری اور بیشمار غیر شعوری۔ ان سب کا احاطہ کرنا ناممکن سی چیز ہے

آخر میں فہرست کتب لگا دی گئی ہے تا کہ جو اصحاب اس سلسلہ میں مزید معلومات ل کرنا چاہیں، وہ انہیں دیکھ سکیں۔

اس مضمون کی تیاری میں بے شمار کرم فرماؤں نے میری معاونت اور راہنمائی فرمائی۔ کے لیے میں ان کا ممنون ہوں۔ جناب غلام محمد صاحب اسسٹنٹ پنجاب یونیورسٹی ریری، لاہور نے کتابوں کی تلاش و جستجو میں جس ہمدردی اور دلچسپی کا ثبوت دیا، کا اعتراف نہ کرنا بہت بڑی ناشکری ہے۔

اس میں اگر کوئی چیز مفید ہے تو وہ محض اللہ کا احسان ہے اور جہاں جہاں مجھ سے لغزش ہوئی ہے وہ میرے نفس کی کوتاہی۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ میری لغزشوں عاف فرمائے۔

خاکپائے رحمۃ للعالمین

عبدالحمید

۱۲؍ جولائی ۱۹۵۵ء

باسمہ تعالیٰ

مقدّمہ

خلافت راشدہ کے سقوط کے بعد دین و سیاست کی تفریق مسلم معاشرے پر جس رفتار سے اثر انداز ہوتی گئی اسی رفتار سے ملت اہل دنیا اور اہل مذہب کے دو گونہ عناصر میں بٹتی گئی لیکن جب تک مسلمانوں کی اپنی حکومتیں قائم رہیں یہ عناصر ہزار اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ لگے رہے۔ دورِ حاضر میں جب مغربی اقوام کی تاخت نے مسلم سلطنتوں کا خاتمہ کر کے اپنے استعماری اقتدار قائم کیے تو ان دونوں طبقوں میں اختلاف کی خلیج اور بھی وسیع ہو گئی بلکہ دونوں نے دو بالکل مخالف سمتوں میں اپنا سفر شروع کیا۔ ایک گروہ تمام مذہبی اصولوں کو بالکل نظر انداز کر کے دنیاوی فوائد و لذائذ سمیٹنے لگا اور دوسرے نے اپنی عافیت اس میں سمجھی کہ مذہب کی چند بچی کھچی قدروں کو سینے سے لگا کر حجرہ نشین ہو جائے۔

لیکن اب جو مسلم ممالک غیر ملکی تسلط سے آزاد ہو رہے ہیں اُن کے لیے معاشرہ کا ان دو مخالف عناصر میں بٹا ہوا ہونا ایک انتہائی نازک مسئلہ بن گیا ہے۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد ہر جگہ قدرتی طور پر معاشرہ کی تعمیر نو کا سوال ابھر کر سامنے آرہا ہے

Marfat.com

اور اس کے لیے یہ دونوں عناصر دو بالکل مختلف راہیں تجویز کر رہے ہیں۔ ان کی یہ باہمی آویزش اسلامی ممالک کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

اہل دنیا کے نزدیک مذہب کم نظروں اور بے عقلوں کا مشغلہ ہے۔ اخلاق و آداب محض بیکار کی زنجیریں ہیں۔ ہمارے اسلاف (معاذ اللہ) بڑے جاہل تھے اور زندگی کی اونچ نیچ سے بالکل ناواقف۔ اُن کے جی میں جو آیا لکھ گئے۔ جو چیز انہیں اچھی لگی اُسے نیک اور جو کسی وجہ سے ناپسند ہوئی اُسے بُرا بتا گئے۔ سماج کے سارے بندھن اور قواعد اس قابل ہیں کہ انہیں توڑ دیا جائے۔ عقائد کا سرے سے انکار کیا جائے اور ملت کی تشکیل ان خطوط پر کی جائے جو تہذیب الحاد نے دنیائے مغرب میں کھینچی ہیں۔

۲۔ دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے جسد کے اندر جب کبھی بھی کوئی حرکت پیدا ہوئی، اُس کے عروقِ مردہ میں جب کبھی خون زندگی دوڑا تو اس کا واحد سبب وہ دینی حس تھی جسے اس نے اپنے اسلاف سے پایا تھا۔ خلافتِ راشدہ کے بعد مسلمانوں کے اندر بحیثیت ایک ملت کے ہمیشہ یہ چھپا ہوا احساس موجود رہا کہ جو کچھ انہیں ہونا چاہیے تھا وہ نہیں رہے۔ اس قوم نے جتنی لڑائیاں بھی آج تک لڑی ہیں وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اسی بے چینی کا نتیجہ ہیں۔ لہٰذا ہم اتنی بڑی تاریخی قوت کو نظر انداز کر کے بالکل آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اس لیے اس قوم کی فلاح اسی میں ہے کہ وہ اپنے مستقبل کی تعمیر اپنی مذہبی امنگوں کے مطابق کرے جنہوں نے اسے بار بار ابھارا ہے۔

پہلا گروہ اپنے دعویٰ کی صداقت میں سوائے یورپ کی مادّی خوش حالی کے اور کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتا۔ مگر اس ضمن میں یہ یاد رہے کہ اسباب کی فراوانی، اور دلوں کا سکون ایک چیز نہیں محض سکوں کی جھنکار سے طمانیتِ قلب حاصل نہیں ہوتی، اس کے لیے کچھ اور بھی درکار ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ اپنی عدیم المثال ترقی کے باوجود انسانی آلام کو کم نہیں کر سکا۔ تہذیبِ جدید کے پرستاروں نے فطرت کے اسرار کی نقاب کشائی اور تسخیر میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی مگر وہ انسانیت کے دکھوں کا مداوا نہ کر سکے۔ جن جن اقوام کو نوعِ انسانی کی قیادت اور حکومت سپرد ہوئی وہ خونریزی، سفاکی اور زیردست آزاری کے دیوتا ثابت ہوئے۔ جن لوگوں کا یہ فرض تھا کہ اخلاقِ انسانی کے نوامیسِ عالیہ کی حفاظت کریں، انسان کو انسان پر ظلم کرنے سے روکیں اور انسانیت کی ذہنی اور عملی سطح کو بلند کریں، اُنہوں نے ملوکیت اور استعمار کے جوش میں کروڑوں بندگانِ خدا کا خون بہایا۔

کیا ہم انہی لاشوں پر اپنی قومی زندگی کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں؟

مغربی تہذیب کا پورا تجربہ ہمارے سامنے ہے اور اس کے نتائج سے ہر وہ شخص واقف ہے جس نے حالات پر معمولی غور و فکر بھی کیا ہے۔ ان کے پیشِ نظر ہم یہ بات بلا خوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ انسانیت کے لیے شائد ہی کوئی تجربہ اس قدر ناکام ہوا ہو جتنا کہ یہ۔ یہ رائے کسی "بے علم ملّا" کی نہیں بلکہ مغرب کی ان بڑی بڑی شخصیتوں کی ہے جن کی علمی برتری آج پوری دنیا میں مسلّم ہے۔ پہلی جنگِ عظیم کے

Marfat.com

فاتح مسٹر لائڈ جارج نے جنگ کے اختتام پر ارشاد فرمایا :

"اگر حضرت مسیح اس دنیا میں تشریف لے آئیں تو وہ زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکیں گے ۔ وہ یہ ملاحظہ فرمائیں گے کہ دو ہزار برس کے بعد بھی انسان فتنہ و فساد، کشت و خون، قتل و غارت میں بدستور مبتلا ہے، بلکہ اس وقت تو انسانیت کے جسم سے تاریخ کی عظیم ترین جنگ کے اثر سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں، اور زمین اس قدر تاراج ہو چکی ہے کہ نوبت فاقہ کشی تک آگئی ہے اور حضرت اگر کیا دیکھیں گے ؟ کیا اخوت و مساوات کے ساتھ لوگوں کو آپس میں ہاتھ ملاتے ؟ یا اس کے بالکل برعکس، اس جنگ عظیم سے بھی بڑھ کر مہلک و پراذیت جنگ کی تیاریاں کرتے، ایک سے ایک بڑھ کر مہلک اور ستم کیش آلاتِ ہلاکت ایجاد کرتے اور تعذیب کی نئی نئی ترکیبیں سوچتے ۔"

۱۹۳۸ء میں مسٹر ایڈن وزیر خارجہ برطانیہ نے کہا :

"اگر کسی دوسرے سیارہ سے کوئی سیاح اور زائر زمین پر آئے تو وہ ہماری اس دنیا کو دیکھ کر کیا کہے گا وہ دیکھے گا کہ ہم سب اپنی بربادی اور ہلاکت کے وسائل تیار کر رہے ہیں ۔"

سی ۔ ای ۔ ایم جوڈ اس افسوسناک صورتِ حالات کا یوں تذکرہ کرتا ہے :

"اس میں کوئی شک نہیں کہ سیاروں کے لیے زمین سمٹ گئی ہے

Marfat.com

اور اس کی طنابیں کھنچ گئی ہیں، قومیں ایک دوسرے کے قریب ہو گئی ہیں اور اُن کے پاؤں ایک دوسرے کی دہلیز پر ہیں لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قوموں کے آپس کے تعلقات پہلے سے زیادہ ناخوشگوار و ناشگفتہ ہیں۔ وہ وسائل جن سے ہم اپنی ہمسایہ قوموں سے براہ راست واقف ہو سکتے ہیں انہوں نے الٹا دنیا کو جنگ کی آگ میں جھونک دیا ہے ہم نے آواز پہنچانے کا آلہ ایجاد کیا اور اس کے ذریعہ اپنی ہمسایہ قوموں سے باتیں کیں لیکن اس کا انجام یہ ہے کہ آج ہر قوم ہوا کی پوری طاقت کے ساتھ اپنی ہمسایہ قوم کو چھیڑنے اور ستانے کا کام کر رہی ہے۔ وہ اس کوشش میں رہتی ہے کہ وہ دوسری قوم کو اپنے سیاسی نظام کی برتری کا قائل و معتقد بنا دے"

فلسفۂ تاریخ کا ایک عظیم مفکر[1] اپنے ایک تازہ مضمون میں اس تلخ حقیقت کا مندرجہ ذیل الفاظ میں اعتراف کرتا ہے:-

"اپنے مسائل کو خالص مادی تدابیر سے حل کرنے کی مساعی بدا ہتہ ناکام ہو چکی ہیں اور انہوں نے ہمارے بلند بانگ منصوبوں کو خاک میں ملا دیا ہے"

یہ چند آراء جو میں نے بطور مثال نقل کی ہیں اُن بڑے بڑے مفکرین کی ہیں جنہوں نے مغربی تہذیب کی آغوش میں پرورش پائی اور اس کی ہلاکت انگیزیوں کو اپنی آنکھوں

---

[1] Arnold Toynbee

Marfat.com

سے دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچے۔ یورپ میں اپنی تہذیب کی ناکامی کا ایک شدید احساس پیدا ہو رہا ہے۔ اس سلسلہ میں اگر تفصیلی مطالعہ مقصود ہو تو پروفیسر آرنلڈ ٹائن بی کی کتاب (Theocracy on Trial)۔ پی۔ اے سارو کن کی تصنیف (The Crisis of our Age)۔ اور ولہام روپکے کی تالیف (The Social Crisis of our Time) ملاحظہ فرمائیں۔ اور پھر خود اندازہ لگائیں کہ ہمارا حکمران طبقہ جس تہذیب پر فریفتہ ہو رہا ہے اُس کے اپنے متعلقین اُس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔

یہ ہماری بڑی بدقسمتی ہوگی کہ اگر اس تجربہ کی ناکامی کو جانتے ہوئے بھی اسے اپنے ملک میں دہرانے کی کوشش کریں۔ ایک دم توڑتی ہوئی روبہ انحطاط اور متعفن تہذیب کو ملت اسلامیہ پر ٹھونس دینا اس ملت پر ایک عظیم ظلم ہے۔

دنیا میں اس وقت کوئی ایسا ملک نہیں جس کی طرف اس تہذیب کے صحیح نمائندہ کی حیثیت سے رجوع کیا جا سکے۔ انگلستان، جسے اس تہذیب کا معمار کہا جا سکتا ہے، اپنی تخلیقی صلاحیتیں ختم کر کے محض سانس لے رہا ہے۔ پچھلے چند سالوں سے اس نے جس طرح محض اپنی بقا کے لیے اپنی تہذیبی قدروں کو قربان کیا ہے وہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ اب اس کا زندہ رہنا قریب محال ہو گیا ہے۔

امریکہ کی ساکھ محض ڈالر کی ریل پیل سے ہے اور یہ بنیاد اس قدر کمزور ہے کہ

اس کے سہارے آج تک کوئی قوم زیادہ مدت تک جی نہیں سکی۔ امریکہ تخلیقی قوتوں کے اعتبار سے انگلستان سے بہت پیچھے ہے۔ تہذیب مادیت کو جنم دینے، اسے فکری غذا بہم پہنچا کر پروان چڑھانے میں سب سے زیادہ حصہ انگریز کا ہے جب یہ تہذیب اس قوم کے لیے بھی ناگن ثابت ہوئی ہے تو دوسرے اس سے کیونکر کسی خیر کی توقع رکھ سکتے ہیں۔

اس تجربہ کے علاوہ بعض لوگ پاکستان میں اشتراکی نظام کے قیام کی بھی دعوت دیتے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ اگر سرمایہ دارانہ نظام ناکام ہوا ہے تو کوئی ہرج نہیں، اشتراکیت تو زندہ ہے۔ اسے آزما کر دیکھیے۔ اس طرز پر سوچنے والے اصحاب اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ سرمایہ داری اور اشتراکیت میں کوئی نوعی فرق نہیں۔ جن عقلی اور اخلاقی عناصر سے ان دونوں کا خمیر اٹھایا گیا ہے وہ سطحی اور ظاہری اختلافات کے باوجود ایک ہیں۔ سرمایہ داری نام ہے ایک ایسی تنظیم کا جس کی غایت اولیٰ مادی منافع کا حصول ہے۔ اشتمالیت اسی کی ترقی یافتہ صورت ہے، جہاں ایک ملک کی پوری کی پوری معاشی اور معاشرتی زندگی کو ایک بہت بڑے سرمایہ دار، ریاست کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برطانیہ، امریکہ اور روس کے طرز عمل میں کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ گذشتہ جنگ میں فسطائی اٹلی کے فرانس پر حملے اور روس کی جاپان پر فوج کشی میں جبکہ وہ میدان جنگ میں بازی ہار چکا تھا کوئی بنیادی فرق دکھائی نہیں دیتا۔

Marfat.com

مزدوروں کی اس "جنت" میں بھی سرمایہ دارانہ ممالک کی طرح ہی سارے ہتھکنڈے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ یہاں بھی ظلم و ستم کا اسی طرح دور دورہ ہے جس طرح کہ غیر اشتراکی ملکوں میں۔ یہاں بھی ذاتی منفعت دوسرے تمام محرکات پر غالب ہے۔ کوئی ایماندار شخص جو سیاسی حالات سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہو اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ روسی آمر کا راج ظلم کے اعتبار سے برطانیہ یا امریکہ کی نام نہاد جمہوریت سے کسی طرح کم نہیں۔ اس یکسانیت کی آخر اس کے علاوہ اور کیا وجہ ہے کہ جس بیج سے یہ کونپلیں پھوٹی ہیں وہ ایک ہی ہے۔

اشتراکیت انسانی زندگی کے مسائل کو صرف لوگوں کے خارجی احوال میں تبدیلی پیدا کر کے حل کرنا چاہتی ہے مگر چند سالوں کی تاریخ نے اس کے اس دعوے کو یکسر باطل قرار دیا ہے اور اس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے کہ جب تک کوئی تعلیم انسانوں کے دلوں اور نیتوں میں تغیر پیدا نہ کرے محض خارجی احوال میں تبدیلی لے آنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ جو انقلاب "مساواتِ شکم" کے اصول پر مبنی ہو اس سے کوئی صالح معاشرتی اقدار پیدا نہیں ہو سکتیں۔

انسانیت نے مذہب کو چھوڑ کر جو ٹھوکریں کھائی ہیں، انہوں نے انسان کے اندر اس خیال کو پختہ کر دیا ہے کہ اندرونی تبدیلی، جو ایک خوشگوار ماحول کے لیے

لہ اس سلسلے میں اگر تفصیل مطلوب ہو تو ماکس ایسٹ مین کی کتاب (Stalins' Russia and the crisis in Socialism) کا مطالعہ فرمائیے۔

اشد ضروری ہے، مذہب و اخلاق کے بغیر ممکن نہیں۔ ہر وہ نظام حیات جو مذہب اور اخلاق سے عاری ہوگا وہ انسانیت کے لیے تباہ کن ہوگا۔ اخلاق ہی کی بدولت انسان کے اندر نیت کی پاکیزگی پیدا ہوتی ہے اور آدمی حیوانیت کی پستی سے نکل کر انسانیت کے بلند مقام تک پہنچتا ہے۔

اسے ہماری خوش بختی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ہمیں اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا اس وقت موقع میسّر آیا ہے جب بہت سے اسلامی ممالک تہذیب مادیت کو اپنانے کے بعد اس کے خطرناک نتائج بھگت چکے ہیں، ان بیچاروں کو اس سے وہ فوائد بھی حاصل نہ ہو سکے جن سے غیر مسلم اقوام متمتع ہوئیں۔ ان کی محرومیوں کے قصّے تاریخ انسانی کی نہایت ہی عبرتناک داستانیں ہیں۔ وہ "مرد بیمار" جس نے شفایابی کے لالچ میں اپنے دین و ایمان تک کو ترک کرنا گوارا کیا، آج تک بیمار چلا آتا ہے تہذیب الحاد کی مسیحائی اس کے لیے کسی طرح بھی چارہ گر ثابت نہ ہوئی۔ وہ بے کس اپنے ہر مسائل کے لیے امریکی آکسیجن کا دست نگر ہے۔

اس نامرادی کو بخت و اتفاق سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ یہ سب کچھ قانون الٰہی کے مطابق ہوا ہے۔ تذبذب اور دورنگی سے آج تک کسی فرد یا قوم کو عروج نصیب نہیں ہوا۔ اس کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ ہر فرد یا قوم یکسو ہو کر کسی مسلک کو

Marfat.com

اختیار کرے۔

مسلمانوں کے لیے بھی ترقی کے صرف دو ہی راستے ہیں:- ایک تو یہ کہ وہ اسلام کو بالکلیہ ترک کر کے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر خالص الحاد کی بنیادوں پر کریں یا وہ اسلام کو اس کے سارے مقتضیات کے ساتھ اپنی زندگی کا واحد نصب العین قرار دیں۔ پہلی صورت اس قوم کے لیے انتہائی مشکل ہے۔ اسلام کے نقوش کو اس کے دل و دماغ سے مٹایا نہیں جا سکتا۔ اس لیے جب بھی اسے کفر کی راہ پر لے جایا گیا تو یہ چند قدموں کے بعد تھک ہار کر بیٹھ گئی۔ اس کا حشر اس انسان کا سا ہوا جس نے دو کشتیوں میں پاؤں رکھ کر دو مخالف سمتوں میں بڑھنے کی کوشش کی۔

اجتماعی زندگی کا یہ ایک عجیب نقطہ ہے کہ اس نقشۂ عالم پر جتنی تہذیبیں ابھریں اور جتنی قومیں کارزارِ حیات میں کامیاب ہوئیں اور پروان چڑھیں وہ سب وہی تھیں جنہوں نے اپنے تصورات کو اپنانے میں پوری یکسوئی کا مظاہرہ کیا۔ اور اس سلسلہ میں حیرت کی بات یہ ہے کہ یہاں سچ اور جھوٹ، حق و باطل کا کوئی امتیاز نہیں۔ اس یکسوئی میں کچھ ایسا ہمہ گیر سحر ہے کہ دروغ بھی اس سے فروغ پاتا ہے۔ پھر جو جو تہذیبیں مٹیں اور جن جن قوموں نے موت و ہلاکت کے دروازہ پر دستک دی وہ سب کی سب وہی تھیں جنہوں نے "نفاق" کو اپنا راہنما تسلیم کیا۔ کسی قوم کی طاقت کا واحد سرچشمہ اس کا اپنے مقصد سے عشق ہے۔ اسی کے ذریعہ وہ آگے بڑھتی ہے اور نت نئے تجربات سے زندگی میں ترتیب و استحکام پیدا کرتی ہے۔ "کسر و انکسار"

Marfat.com

کا اصول اشیاء کی قیمتوں کے تعین میں تو کارآمد ثابت ہو سکتا ہے مگر اس کی مدد سے کسی قوم کے مستقبل کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ قوت تقلید سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ اُن عزائم سے پیدا ہوتی ہے جو ایک قوم اپنی تہذیب کو سربلند کرنے کے لیے اپنے سینے میں پالتی ہے۔

نب "تاریخ کا فیصلہ یہی ہے کہ ملت اسلامیہ کفر پر کبھی راضی نہیں ہو سکتی، کفر و اسلام کی معجون مرکب سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے اس کے بقا اور ترقی کی ایک ہی صورت باقی ہے کہ وہ اسلام پورے خلوص کے ساتھ اپنالے۔" بہ امام

وہ ممالک جن کا یورپ سے براہ راست ایک تہذیبی تعلق رہا ہے ممکن ہے وہاں مسلسل اور زبردست جدوجہد کے بعد تہذیب الحاد کو کچھ دیر کے لیے سر چھپانے کا موقع مل جائے مگر پاکستان کی سرزمین میں اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ اس قوم نے انگریزوں کے ہاتھوں جو جو مظالم برداشت کیے ہیں انہوں نے اس سفید فام قوم اور اُس کے نظریات کے خلاف نفرت کا ایک زبردست جذبہ پیدا کر دیا ہے اس بنا پر اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ اپنے سابق حکمرانوں کی ساری چیرہ دستیوں اور ریشہ دوانیوں کو یکسر فراموش کر کے اس کی تہذیب کو اپنے سینے سے لگالیگی۔

ایک ایسی قوم جس میں مجدد الف ثانیؒ، شیخ عبدالحق دہلویؒ، شاہ ولی اللہ ایسے بزرگوں کے اقوال کو قبول عام حاصل ہو، جس کے اسلاف کی سیرت کی تشکیل شیخ

Marfat.com

علی بن عثمان ہجویریؒ، حضرت معین الدینؒ اجمیری اور خواجہ نظام الدین دہلویؒ جیسے پاکباز اور مقدس انسانوں کے ہاتھوں ہوئی ہو۔ جس میں سید احمد شہید بریلویؒ اور ان کے جاں نثار رفیق مولانا اسمٰعیل شہید کی شہادت کے چرچے ہوں۔ اُس قوم سے یہ توقع رکھنا کہ وہ من حیث القوم چند لوگوں کی خواہش کے احترام میں کفر پر راضی ہو جائیگی عین حماقت ہے۔ اسلام اس ملک کے لوگوں کے لیے ایک نہایت ہی قیمتی اور مقدس امانت ہے جس کی پاسبانی بڑے بڑے ائمہ و صلحاء نے کی۔ یہ امانت اس قوم کو دنیا کی ہر چیز سے عزیز تر ہے جس فرد یا گروہ نے اس امانت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی مسلمانوں نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اس معاملہ میں نہ تو اپنوں کی ملوکیت اور جباری انہیں ڈرا سکی اور نہ ہی غیروں کی قاہری و ساحری اُن کے حوصلوں کو پست کر سکی۔ پھر یہ امانت کوئی بے جان اور بے حس چیز نہیں جسے مسلمانوں نے محض ماضی کی مقدس یادگار کے طور پر اپنے سینوں سے لگا رکھا ہے۔ بلکہ یہ ایک زبردست انقلاب انگیز اور زندہ قوت ہے جس نے مسلمانوں کو بار بار سرگرمِ عمل کیا۔ دوسرے ممالک کو تو فی الحال نظر انداز کیجیے اور یہ دیکھیے کہ اس ایک ملک میں اس نے کتنی بار مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جھنجھوڑا۔ خود پاکستان کا وجود بھی اس قوت کا کرشمہ ہے۔ اب اگر کوئی گروہ اس قدر زبردست اور مضبوط تاریخی قوت کو محض "اقبال اور مُلّا" ایسے چند پمفلٹ لکھوا کر، یا چند لوگوں کو جیل میں بند کر کے روکنا چاہتا ہے تو وہ سخت غلطی پر ہے۔ اس کو بہت جلد ہی اپنے

جائزے کی کوتاہی کا اندازہ ہو جائے گا۔

ایک ایسا ملک جس کے دونوں بازوؤں کے درمیان ڈیڑھ ہزار میل کا فاصلہ حائل ہو، جس کے باشندوں کے درمیان نہ تو لسانی اتحاد ہو اور نہ ہی رنگ و نسل کا اشتراک، وہاں یہ سوچنا کہ قومیت کا نعرہ ایک قوت جاذبہ بن کر ہمارے شیرازۂ قومی کے مائل بہ انتشار اجزا کو متحد کر سکے گا حالات سے سراسر ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ یہاں اگر کوئی ایسا اجتماعی مقصد، جو ہماری قوم کے مختلف طبقوں اور خاندانوں کے مفادات کو ہم آہنگ کر سکتا ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ اسی کی مقناطیسی قوت یہاں کے مختلف عناصر کو جوڑ سکتی ہے، اسی کی قوت محرکہ پوری کی پوری قوم کو متحرک کر سکتی ہے۔ اسی کے فیض سے ہماری گھر کی زندگی بھی صالح اور باہر والوں کے لیے بھی اسوۂ حسنہ بن سکتی ہے۔

ہمارے اس ملک کے لیے، بالخصوص جبکہ وہ ہر طرف سے وسیع ذرائع رکھنے والی رقیب طاقتوں سے گھرا ہوا ہے محض اپنے دنیاوی وسائل اور مادی اور جنگی قوتوں کے بل پر دنیا میں عزت حاصل کرنا قریب قریب ناممکنات میں سے ہے۔ اس لحاظ سے وہ ہمیشہ کے لیے مغربی اقوام کا خیمہ بردار رہے گا۔ اس کی اگر کوئی صورت ممکن ہے تو وہ یہ کہ پاکستان کے باشندے ایک "قوم" بننے کی بجائے "امتِ مسلمہ" بننے کا عزم کریں اور پاکستان کو پاکستانی قومیت کا وطن بنانے کی بجائے اس کو اسلامی دعوت اور اسلامی تحریک کا مرکز بنائیں۔ یہ اسلامی تحریک بلاشبہ

ایک ایسی چیز ہے جس کی طرف بلا امتیاز نسل و قوم تمام دنیا کے انسانوں کو بلایا جا سکتا ہے کیونکہ ساری انسانیت کے لیے اس میں کشش موجود ہے۔ اس کو دنیا میں منوانے کے لیے مادی اور جنگی قوت درکار نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات کی اپنی قوت اور جاذبیت اس کے لیے سپاہ اور لشکر کا کام دے سکتی ہے۔ ایک صالح نصب العین، ایک صحت مند آئیڈیل کی قوت کے سامنے بڑی بڑی طاقتیں سرنگوں ہو جاتی ہیں، بشرطیکہ اس کی پشت پر انسانوں کا کوئی ایسا گروہ موجود ہو جس نے اپنی پوری زندگی میں اسے اپنایا ہو۔ محض قرطاس میں محفوظ نظریات خواہ وہ کتنے ہی صحیح ہوں دنیا میں قبول نہیں کیے جاتے۔ ہماری قوم کے مستقبل کا سارا دارومدار اب اس امر پر ہے کہ وہ اسلام کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کہاں تک نافذ کرتی ہے۔

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے حق میں جو دلائل اوپر دیئے گئے ہیں اُن سے صرفِ نظر کرتے ہوئے بھی ہم بحیثیت مسلمان کے اسلام کو اپنانے پر مجبور ہیں۔ یہ ہمارے ایمان کا عین تقاضا ہے۔ اسی پر ہماری آخرت کا انحصار ہے۔ آزادی حاصل ہو جانے کے بعد ایک مسلم معاشرہ کا اوّلین فرض یہ ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنی اس آزادی کو خدا کے قانون کے تابع کرے اور اپنے مالک کے مقرر کیے ہوئے حدود کے اندر اس آزادی کو استعمال کرے۔ اگر ایک مسلمان قوم اس راہ کو چھوڑ کر کوئی دوسری راہ اختیار کرتی ہے تو وہ اپنے رب سے

Marfat.com

بغاوت کی مرتکب ہے۔ اُس کی وفاداری کا انحصار اس امر پر ہے کہ غیر الٰہی حاکمیت سے آزاد ہو کر وہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی غلام بن جائے اور اپنے ترک و اختیار، ردّ و قبول اور پسند و ناپسند کے لیے اس شریعت کو معیار بنائے جو اللہ اور اس کے رسول نے اُسے دی ہے۔ اسی طرزِ عمل میں اس نعمتِ آزادی کی حقیقی قدر پوشیدہ ہے۔ پاکستان کے مسلمانوں کے لیے یہی وہ اصل موقع ہے جس میں مسلمان بحیثیت پوری قوم کے اپنے خالق کے سامنے اپنی بندگی اور اطاعت کا ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔

یہ دَور جھوٹ اور پراپیگنڈے کا دَور ہے۔ اس میں بعض چیزوں کو خواہ مخواہ بدنام کر دیا جاتا ہے تاکہ کوئی ان کے حق میں سوچ نہ سکے۔ پچھلے چند سالوں سے مذہبی حکومت کی جس طریق سے تذلیل کی جا رہی ہے وہ اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ دَورِ جدید کا انسان کتنی آسانی سے تعصبات کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی آنکھ کے شہتیر کو یکسر نظر انداز کر کے سارا وقت دوسروں کی آنکھ کے تنکے کو بُرا بھلا کہنے میں صرف کرتا ہے۔ اسی کو وہ بہت بڑی خدمت سمجھتا ہے۔ مذہبی حکومت کے خلاف جو سب سے بڑی دلیل لائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں اختیار کی باگیں مذہبی گروہ کے ہاتھ میں منتقل ہو جائیں گی۔ اور یہ اتنی بڑی جہالت ہے کہ کوئی 'مہذب ملک' اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ پاکستان نے اگر یہ

"حماقت" کی تو وہ ساری دنیا میں ذلیل و خوار ہو جائے گا۔ اس میں کس قدر صداقت ہے اس کے متعلق اصل مضمون میں بحث کی گئی ہے۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ جس "مہذب دنیا" کے خوف سے ہمارے ملک کے برسر اقتدار طبقہ کی نیند حرام ہو رہی ہے وہاں بھی "مذہب جدید" کے نام سے ملک کا ایک طبقہ غیر مسئول اختیارات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ انگلستان، امریکہ، جرمنی اور فرانس میں اس "مذہب" کا نام قومیت یا وطنیت ہے اور اس مذہب کے پروہت وہاں کے بڑے بڑے سرمایہ دار، انجینرز، کمپنیوں کے ڈائرکٹرز ہیں۔ روس میں اس "مذہب" کو اشتراکیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہاں جو طبقہ اس مذہب کی نگہبانی کی آڑ میں ملک پر حکمرانی کر رہا ہے اُسے سپریم سوویٹ آف دی یو۔ ایس۔ ایس۔ آر[1] کہا جاتا ہے۔ بچارے ملا کا تو ذکر ہی کیا، جو شاہانہ اختیار، خسروانہ جلال اور غیر مسئول اقتدار اس "مذہبی گروہ" کے سربراہ "جلالۃ الملک تقدس مآب" مالنلوف کو حاصل ہے، اس کے لیے تو یقیناً فرعون اور نمرود، جمشید اور قیصر و کسریٰ بھی ترستے رہے ہونگے۔

آخر میں ایک بات کی وضاحت کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ ان اوراق میں

---

[1] The Supreme Soviet of the U S S R

Marfat.com

تھیاکریسی کا تقابل جس اسلامی ریاست سے کیا گیا ہے وہ وہی ہے جسے قرآن پاک اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا ہے اور جس پر خلافت راشدہ کا نظام قائم تھا۔ یہی میری نظر میں وہ اصل معیار ہے جس کے مطابق سب کو جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کی جو حکومت بھی جس قدر اس سے قریب ہوگی اسی نسبت سے اسلامی ہوگی۔ اس لیے اسلامی حکومت کا مطالعہ کرتے ہوئے اسی ایک مثالی حکومت کو سامنے رکھیے۔ باقی رہے مسلمان فرمانرواؤں کے غیر اسلامی افعال تو اُن سے ہم خود ہی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ اس لیے اُن کو درمیان میں نہ لایا جائے۔

۷۸۴۴

Marfat.com

تھیاکریسی[1] کیا ہے؟

انسانیت نے جو کروٹ دورِ متوسط سے دورِ جدید میں آنے کے لیے لی وہ اپنے نتائج اور اثرات کے اعتبار سے نہایت ہی انقلاب انگیز ثابت ہوئی۔ مذہب کے خلاف ایک شدید جذباتی کشمکش نے۔ جو اس تبدیلی کی اصل محرک تھی، اس انقلاب کو خالص الحاد کے راستے پر ڈال دیا۔ تہذیبِ جدید کے معماروں نے کائنات کی بدیہی شہادتوں اور انسانی فطرت کی کھلی پکار کے باوجود مذہب اور اس کے جملہ لوازم مثلاً خدا، آخرت، حشر و نشر، وحی و الہام کا انکار کرتے ہوئے

---

[1] اس لفظ کا ترجمہ عام طور پر "حکومتِ الٰہیہ" کیا جاتا ہے مگر چونکہ دونوں کے تصورات میں ایک نمایاں فرق ہے اس لیے ترجمہ دینے کے بجائے اس لفظ کو جوں کا توں رہنے دیا گیا ہے۔

Marfat.com

انسانی تہذیب کی ساری عمارت کو الحاد پر استوار کیا۔ اخلاق کی وہ ساری قدریں جنہیں انسان ہمیشہ سے عزت و توقیر کی نظر سے دیکھتا رہا تھا وہ سب ملیا میٹ کر دی گئیں اور اب انسانیت نے اپنا سفرِ حیات یہ سوچ کر شروع کیا کہ دنیا کی تباہی اور بربادی کا اصل سبب صرف مذہب ہے۔ اور یہ کہ جو چیز بھی اس سے متعلق ہو اُس کے بارے میں بغیر کسی تامّل کے یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ سراپا "جہالت" ہے۔ اس ردِّ عمل کا ایک ہدف "مظلوم" تھیاکریسی (Theocracy) بھی ہے۔ یار لوگوں نے اس لفظ کی تشریح و تفسیر مدتہائے دراز سے کچھ اس انداز میں کی ہے کہ اب یہ لفظ "مذہبی دیوانوں کی فرماں روائی" کا ہم معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ اسے سنتے ہی آنکھوں میں کچھ اس طرح کا نقشہ پھرنے لگتا ہے کہ چند مذہبی سر پھرے پُرغضب چہروں، چڑھی ہوئی تیوریوں اور شرر فشاں آنکھوں کے ساتھ مسندِ اقتدار پر قابض ہو گئے ہیں اور ان کا مقصدِ حیات صرف یہی ہے کہ معصوم اور بھولے بھالے عوام کو خدا اور آخرت کا نام لے کر ڈرائیں اور اُن کے گاڑھے پسینے کی کمائی کو ذاتی آرام و آسائش پر بے دریغ صرف کریں۔ ماہرین نے تھیاکریسی کی یہ تصویر بڑی فلمکاریوں کے ساتھ بنائی ہے۔

لُطف یہ ہے کہ اس تصویر کے بنانے والے ہمارے وہ مہربان ہیں جو خود صدیوں سے ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر قزاقوں کی طرح کمزوروں کو لوٹتے رہے ہیں۔ جن کی تنگ نظری، زیادتی اور مردم آزاری نے آج پوری نوعِ انسانی پر

عرصۂ حیات تنگ کر دیا ہے، جن کی چیرہ دستیوں، تصادموں اور چالبازیوں کی پوری انسانیت نوحہ خواں ہے۔ مگر ان ماہرینِ فن کی مہارت قابلِ صد ستائش ہے کہ انہوں نے "مذہبی حکومت" کی تصویر اتنی بھیانک اور اتنی بڑی بنائی ہے کہ اُن کی اپنی جمہوریت، اشتراکیت اور فسطائیت کی خوفناک تصویریں اس کے پیچھے چھپ گئی ہیں اور خود ہماری سادہ لوحی بھی قابلِ داد ہے کہ جب ہم غیروں کی بنائی ہوئی اس تصویر کو دیکھتے ہیں تو ایسے حواس باختہ ہو جاتے ہیں کہ ہمیں ان ننگ نظر مصوروں کا خیال نہیں رہتا جنہوں نے محض مذہب اور اُس کے نوامیس عالیہ کی تذلیل کے لیے یہ ساری تگ و دو کی ہے۔ ہم بڑی لجاجت سے یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں "حضور! یہ مذہبی حکومت واقعی دنیا کے لیے بڑی آفت تھی۔ اس سے انسانیت کو ہمیشہ نقصان پہنچا۔ اس کے نظم کو چلانے والے یہ مذہبی پیشوا بڑے ہی جاہل تھے ان سے کبھی بھی کوئی مفید کام سرانجام نہیں پایا۔ یہ لوگ انسان کو ہمیشہ پیچھے کی طرف لے جانے کی کوشش کرتے رہے۔ ان لوگوں نے مذہب کے نام پر عوام کو لوٹا۔ حضور اب ہماری توبہ۔ ہماری کیا مجال! اب ہم ان مذہبی دیوانوں کو حکومت کے ایوانوں میں گھسنے دیں۔ ہمارے سامنے ہمارے ماضی کے قصے نہ دہرائیے، بس ایک دفعہ ہمارے پچھلے گناہ معاف کیجیے۔ آئندہ جیتے جی ایسی غلطی کبھی نہیں کریں گے، سرکارِ عالی مدار تو ہم سے خواہ مخواہ بدظن ہوئے جاتے ہیں۔" یہ کلمات مختلف انداز میں مختلف زبانوں سے اس قدر کثرت سے

دہرائے گئے ہیں کہ انسان مجبور ہو جاتا ہے کہ تھیاکریسی کی ماہیت معلوم کرے۔

"تاریخ انسانی کا اگر غیر جانبداری سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسانیت کے بعض "بدنام مصلحین" کی طرح یہ لفظ بھی انتہائی مظلوم ہے۔ اسے بھی بعض عیار لوگوں کی ذہنیت سے اُسی طرح شکایت ہے جس طرح خدا کے پاک بندوں کو خدا کے باغیوں سے۔ تاریخ کے اوراق اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں کہ یہ لفظ ہمیشہ ہی ظلم و استبداد کے ہم معنی نہیں رہا بلکہ کبھی اس سے مراد ایک ایسی حکومت کا تصور لیا جاتا تھا جس کے دامن میں شہنشاہیت کے ستائے ہوئے لوگوں نے امن و امان پائی، جس نے انسان پر انسان کی خدائی کو ختم کیا، جس نے نوعِ انسانی کے پائمال طبقوں کو سہارا دیا، جس نے بنی نوع انسان کو معاشرت کے ایسے پاکیزہ اصول دیے کہ زندگی ہر قسم کی کشاکش اور بے انصافی سے پاک ہو گئی۔ الغرض انسان کو یہ موقع بہم پہنچایا کہ وہ پورے سکون کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔ اس کے نظم کو چلانے والے بھی سارے بددیانت اور بے علم نہ تھے بلکہ وہ لوگ تھے جنہوں نے عقل و علم کو چار چاند لگائے، جنہوں نے تہذیب کے گیسو سنوارے اور تمدن کو آخری زینے تک پہنچایا۔ پھر یہ لوگ ہمیشہ عوام پر ظلم ہی نہ کرتے رہے بلکہ بسا اوقات انہی کی مساعی سے جبر و استبداد سرنگوں ہوا، غلامی کی زنجیریں کٹیں۔ اور انسان کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ تمام جھوٹے خداؤں کے بندھن توڑ کر صرف خدائے واحد کی بندگی اختیار کرے۔ یہ لوگ بے کار اور ناکارہ ہی نہ تھے

Marfat.com

بلکہ صحیح معنوں میں پہاڑی کا چراغ اور زمین کا نمک تھے۔ یہ لوگوں میں سب سے زیادہ دل کے سچے، علم کے گہرے اور تکلفات سے دُور تھے۔ اسی وجہ سے انسانی آبادیوں نے ان کی قیادت پر صرف اعتماد ہی نہیں کیا بلکہ ان کا والہانہ استقبال بھی کیا۔ یہ لوگ کوئی خوف و دہشت کی طاقت نہ تھے جس کا نقشہ کہ آج پیش کیا جاتا ہے بلکہ نیکی اور عدالت کا پیغام تھے جس کی طرف لوگ دیوانہ وار بڑھے۔ مغلوب قوموں نے خود انہیں بلاوے بھیجے، قلعوں نے اُن کی اطاعت پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی کنجیاں اُن کے قدموں پر ڈال دیں۔ دُکھوں سے چور انسانیت نے انہیں اپنا نجات دہندہ سمجھا۔ خدا کے یہی وہ پاکباز بندے تھے جنہوں نے اولادِ آدم کی محبت کے لیے جمشید اور قیصر و کسریٰ کے شاہانہ اختیارات کو چیلنج کیا، خسروانہ جلال اور غیر مسئول اقتدار کے سامنے بھی حق بات کہنے سے گریز نہ کیا۔ کبھی اپنی قوم کے ظالم مگر برسرِ اقتدار طبقوں کے خلاف صف آرا ہوئے اور کبھی باہر کے خاقان و فغفور سے جنگ لڑی۔ انہیں کا وجود ہزاروں سال تک ابتری اور ہلاکت کے راستہ میں ایک بڑی روک کا کام دیتا رہا ہے، اور انسانیت کو ان تمام فتنوں اور خطرات سے جو عالم پر محیط تھے عرصہ تک کے لیے محفوظ کر دیا۔ اولادِ آدم ان کے احسانات سے کبھی بھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ مشہور مصنف رابرٹ برائی فالٹ (Robert Briffault) اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "تعمیرِ انسانیت" (The Making of Humanity)

Marfat.com

میں بڑے ہی واشگاف الفاظ میں ان لوگوں کی خدمات کا اعتراف کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ مغرب میں خواہ اس تھیاکریسی کا کچھ ہی تصوّر رہو مگر مشرق میں یہ حکومت ہمیشہ انسانی فلاح کی ضامن رہی۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے :۔

"مشرق میں تھیاکریسی کبھی بھی ذہنی استبداد کا موجب نہیں بنی، ہم یہاں ظلمت پسندی، خیالات پر قدغن، اور علم پر پابندی کی کوئی ایسی مثال نہیں پاتے جس کے لیے کہ مغربی دنیا یونان اور روم سمیت مشہور رہے[1]۔"

مگر داد دیجیے مغربی وقتِ نظر کی کہ انہوں نے "مذہبی حکومت" کا نقشہ کھینچتے وقت اُن اَدوار کا انتخاب کیا ہے جب یہ حکومتیں انحطاط کی لپیٹ میں آچکی تھیں، اس وقت مذہب جو ان حکومتوں کی اصل بنیاد تھا کوئی انقلاب انگیز قوت نہ رہا تھا بلکہ چند بے جان اور بے روح رسوم کا مجموعہ بن چکا تھا۔ ان حکومتوں کے چلانے والے بھی اُس "پیغام" کو بھول گئے تھے جس کی تڑپ نے انہیں اپنے آپ کو ایک مخصوص اجتماعی قالب میں ڈھالنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے آسان پسندی اور سہل انگاری کے طریقوں کو اختیار کرتے ہوئے سوچنا اور دریافت کرنا چھوڑ دیا۔ اکتسابِ علم اور اجتہادِ فکر کی راہ میں تھک کر بیٹھ گئے۔ پھر وہ دین جس کی وجہ سے انہیں یہ عزت حاصل ہوئی تھی اُس کی محبت دلوں سے غائب ہوگئی اور اس کی جگہ دنیا پرستی نے لے لی۔ اب اگر مفکرین کا کوئی

---

[1] Robert Briffault : The Making of Humanity P. 113

Marfat.com

گروہ مذہبی حکومت کے روشن اور تابناک ادوار کو قصداً چھوڑ کر صرف اس کے دورِ انحطاط کو نظر میں رکھ کر اس کی تصویر بناتا ہے تو اسے علمی خیانت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اس پر مزید ستم یہ کہ ان حضرات نے بغیر کسی ادنیٰ تحقیق کے اسلامی حکومت کو بھی اس "تھیاکریسی" کے زمرہ میں شامل کر دیا ہے۔ حالانکہ جس شخص نے تاریخ کا سرسری سا مطالعہ بھی کیا ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ پوری اسلامی تاریخ میں ہمیں کوئی دور ایسا نظر نہیں آتا جب ملتِ اسلامیہ نے اپنا اجتماعی ڈھانچہ تھیاکریسی کے فرضی نمونہ پر تیار کیا ہو۔ یہ بات دعویٰ کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ مسلمان اپنی سیاسی اور معاشرتی زندگی میں زوال کی آخری سرحدوں کو چھونے کے بعد بھی اُن ساری بے اعتدالیوں سے پاک رہے جن کو عام طور پر "مذہبی حکومت" کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن عقلی اور اخلاقی عناصر سے اس قوم کی تعمیر ہوئی ہے وہ اتنے عمدہ، ٹھوس اور پائدار ہیں کہ انہوں نے کسی ایسی برائی کو جو ان کے مزاج کو بدل دے اپنے اندر گھسنے نہیں دیا۔ جب کبھی اس قسم کی کوشش کی گئی تو وہ سخت ناکام ثابت ہوئی۔

اسلامی حکومت اور تھیاکریسی کے درمیان جو عظیم فرق پایا جاتا ہے اس کی

وضاحت کرنے سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ "مذہبی حکومت" کے متعلق وہ روایات جو عام طور پر مشہور ہیں اُن کا بھی ایک مختصر سا جائزہ لیا جائے، اس سے مبحث کو سمجھنے میں کافی آسانی ہوگی۔

تھیاکریسی کی اصطلاح عام طور پر ایک ایسی ریاست کے لیے بولی جاتی ہے جو مذہب پر قائم ہو، جس میں سارا اختیار ایک ایسے فرد یا گروہ کے ہاتھ میں ہو جو یا تو اپنے آپ کو مظہرِ خدا سمجھے یا اس سے براہِ راست رہنمائی حاصل کرنے کا دعویٰ رکھتا ہو۔ یہ اصطلاح سب سے پہلے قدیم یہودی مؤرخ جوزیفس نے وضع کی اور اس سے مقصود وہ اندازِ حکومت تھا جو بنی اسرائیل کی زندگی میں رائج تھا۔ ان حکومتوں میں سیاسی اقتدار یا تو براہِ راست ایک مخصوص مذہبی طبقہ کے ہاتھ میں ہوتا یا یہ گروہ اقتدار کے تخت پر متمکن ہونے والوں کی حفاظت اور پاسبانی کے فرائض سرانجام دیتا۔ خدا کے احکام حاصل کرنے کا طریقہ اُن کے ہاں یہ تھا کہ وہ سب مل کر اپنے میں سے ایک انسان کا انتخاب کر لیتے اور پھر اُسے یہ حق تفویض کر دیتے کہ وہ اکیلا اُن کی طرف سے خداوند تعالیٰ سے ہم کلام ہو کر اُس کا منشا معلوم کر کے اُنہیں اس سے آگاہ کرے۔ ان احکام کی بجا آوری سوائے اس طبقہ کے سب پر لازم ہوتی۔

آغاز میں تو سارا اختیار اسی گروہ کے قبضہ میں رہا، مگر وقت کے گزرنے کے ساتھ بادشاہ بھی اپنے آپ کو خداوند تعالیٰ کی اس "نوازش" کا حقدار سمجھنے لگا۔

Marfat.com

اور اس طرح اس طبقہ میں یہ ہمت نہ رہی کہ وہ حکمراں کے کسی قول یا فعل پر لب کشائی کی جرأت کرے۔ البتہ فرمانروا کے مرنے کے بعد ایک مجلس منعقد کی جاتی اور اس میں اس کے اعمال کو جانچ کر یہ فیصلہ کیا جاتا کہ آیا مرنے والا بادشاہ جنت کا مستحق ہے یا دوزخ کا۔ ان لوگوں کا یہ فیصلہ اس کے جانشین کے لیے بہت بڑی اہمیت رکھتا۔

ہندوستان کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ یہاں بھی حکومت کا یہی تصور موجود تھا۔ آغاز میں برہمن کے مقابلہ میں بادشاہ کی حیثیت نہایت ہی ادنیٰ اور کمزور تھی مگر جس رفتار سے اس کی سلطنت کی حدود پھیلیں، اور اس کے اقتدار میں اضافہ ہوا اسی نسبت سے اس کے اندر الوہیت پیدا ہوتی گئی۔ اور برہمنوں کو یہ ہمت نہ رہی کہ وہ اس کے متعلق کوئی نازیبا کلمہ زبان پر لائیں۔ منو کی جو تعلیمات اس وقت بھی ملتی ہیں ان سے یہی بات واضح ہوتی ہے۔ بادشاہ کا جسم ان کے اقوال کے مطابق بالکل پاک اور مقدس ہے۔ کیونکہ وہ ایسے عناصر سے عبارت ہے جن کو جنت میں تیار کیا گیا ہے۔ جس طرح سورج کی روشنی کے سامنے کوئی فرد بھی اپنی آنکھیں کھولنے کی جرأت نہیں کرتا اسی طرح کسی فرد کو بھی بادشاہ کی طرف نگاہ اٹھانے کی گستاخی نہیں کرنا چاہیے۔ کسی انسان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اسے بچپن میں بھی نفرت کی نگاہ سے دیکھے یا اس کے متعلق یہ گمان کرے کہ وہ تو محض "بشر" ہے۔ اس تعلیم کا اثر یہ

ہوا کہ کبریائی کے جس مقام پر پہلے برہمن فائز تھا اُس پر اب بادشاہ فائز ہو گیا اور عوام کی جبینِ نیاز اسی "رب" کے سامنے جھکنے لگی۔ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ اس کے کسی فعل پر نکتہ چینی کرے کیونکہ وہ خود اس زمین پر خدا کا مظہر تھا۔ دورِ جدید میں اس طرزِ حکومت کی مثالیں تبت اور جاپان میں ملتی ہیں۔

مذہبی حکومت کے ان سارے تصورات میں سے غالباً سب سے زیادہ عجیب و غریب تصور وہ ہے جو ہمیں یہودیوں سے ملا ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ یہوواہ خود کسی ابر آلودہ رات میں بجلی کی چمک کے ساتھ انہیں اپنے احکام سے نوازتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے ہاں خدا کی منشا اور مرضی کو معلوم کرنے کا ایک اور طریقہ بھی موجود تھا۔ ان کا کاہنِ اعظم خیمۂ عبادت میں قدس الاقداس کے اندر جاتا جہاں تابوت ایک پردہ کے پیچھے رکھا ہوتا۔ یہ مقام الہامِ ربانی کا مرکز خیال کیا جاتا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس پر یہوواہ کے احکام منکشف ہوتے۔ وہ ان احکام سے لوگوں کو روشناس کراتا اور لوگوں پر ان کی اطاعت فرض ہوتی۔

بلنٹشلی (Bluntschli) اپنی کتاب "نظریہ ریاست" Theory of state میں نہایت ہی خوبی سے ان احکام کو حاصل کرنے کے طریقہ کا نقشہ کھینچتا ہے۔ وہ کہتا ہے :-

"قانونِ الٰہی ایک سونا منڈھے ہوئے صندوق میں رکھا رہتا جس کی دو کروبی حفاظت کرتے اور جس کی تعظیم الہامِ ربانی کے مرکز کی حیثیت سے

کی جاتی تھی۔ تابوت خیمہ کے اندر ایک پردہ کے پیچھے قدس الاقداس میں رہتا تھا اور کاہنوں کی طرف سے پورے اہتمام سے اس کی نگرانی ہوتی تھی یہیں کاہن اعظم یہوداہ کے احکام معلوم کرتا اور لوگوں کو مطلع کرتا۔"

"قضا جو قبائل میں شریعت کی تنفیذ پر مامور تھے وہ یہ کام خدا کے نام پر سرانجام دیتے تھے کیونکہ قانون سازی کا حق صرف اللہ کے لیے مخصوص تھا اگر کوئی معاملہ ان کے سامنے ایسا آجاتا جس کا فیصلہ ان کے لیے مشکل ہوتا تو اس میں ان کے لیے ضروری ہوتا کہ لاویوں کے ذریعہ خدا کی مرضی معلوم کریں[1]۔"

قریب قریب یہی حال نصاریٰ کا تھا۔ یورپ کا پاپائی نظام سینٹ پال کا پیرو تھا جس نے موسوی شریعت کو لعنت قرار دے کر مسیحیت کی بنیاد صرف ان اخلاقی تعلیمات پر رکھی تھی جو نئے عہد نامہ میں پائی جاتی ہیں۔ ان اخلاقی تعلیمات میں کوئی ایسا قانون موجود نہیں ہے جس پر ایک تمدن اور ایک ریاست کا نظام چلایا جا سکے۔ اس لیے جب انہیں ایک نظام حکومت قائم کرنا پڑا تو ان کے سامنے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنی خواہشات نفس کے مطابق قوانین وضع کر کے نافذ کریں اور پھر کہیں کہ سب خدا کی طرف سے ہے۔

---

[1] Bluntschli The Theory of State, pp 350—351

Marfat.com

تھیاکریسی کے ان مختلف مظاہر کو سامنے رکھ کر اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں باوجود ہزار اختلافات کے جو چیز قدرِ مشترک کی سی حیثیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں عنانِ اقتدار اُن افراد کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو عام انسانوں سے بلند اور بالا ہونے کے ساتھ ساتھ حاکمیت کے حقوق بھی رکھتے ہوں۔ یہ لوگ صرف فوق البشر ہونے کے دعویدار ہی نہیں ہوتے بلکہ اپنے آپ کو مستقل بالذات شارع اور قانون ساز بھی سمجھتے ہیں۔ اس لحاظ سے اُن کی حیثیت ایک مطلق العنان کی سی ہوتی ہے جس پر مخلوق کسی قسم کی کوئی تنقید نہیں کر سکتی۔

دنیا کی بدقسمتی کہ مذہبی حکومت سے متعلق ان سارے غلط تصورات کو تھیاکریسی کا نام دے کر اسلامی حکومت کو بھی انہی معنوں میں ایک مذہبی حکومت سمجھ لیا گیا ہے۔ غیر تو غیر خود مسلمانوں کا ایک اچھا خاصا طبقہ بھی اس سے یہی مراد لیتا ہے۔

Marfat.com

اسلام کیوں تجویز کیا گیا ہے؟

جب ہم اس عظیم غلط فہمی کے اسباب و علل کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں اس کے تین اسباب نظر آتے ہیں :-

۱۔ اسلام کو اُن معنوں میں ایک مذہب سمجھ لیا گیا ہے جن میں یہ لفظ عموماً بولا جاتا ہے

۲۔ اسلامی ریاست اور یہودی اور عیسائی ریاستوں کے اساسی تصورات میں جو اختلاف ہے اُسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ عقیدۂ ختمِ نبوت کے سیاسی اور تمدنی پہلوؤں پر غور نہیں کیا جاتا۔

((مذہب کے معنی عام اصطلاح کے اعتبار سے بجز اس کے اور کیا ہیں کہ وہ چند عقائد اور عبادات اور رسومات کا ایک مجموعہ ہے۔ اس لحاظ سے مذہب کے واقعی خدا اور انسان کے درمیان ایک پرائیویٹ رشتہ ہونا چاہیے۔ مگر اسلام کا معاملہ اس سے بالکل جدا ہے۔ اس کا اپنا ایک الگ اور مخصوص نظریۂ حیات ہے جو زندگی کے سارے شعبوں پر پوری طرح

حاوی ہے۔ اس لحاظ سے مسلمان زندگی کے ہر گوشے میں، خواہ اُس کا تعلق اُن کی سیاسی زندگی سے ہو یا اُن کی روحانی زندگی سے مستقل اقدار کے حامل ہیں، وہ ایک متعین اسلوبِ حیات اور اندازِ زیست کے مالک ہیں۔ اُن کا مسلمان ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ زندگی کے سارے خانوں میں صرف اسلام کا رنگ بھریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے سارے معاملات، تہذیب و معاشرت، اخلاق و اجتماع، آئین و سیاست، علم و فلسفہ کے لیے نہایت واضح احکام صادر فرما دیئے ہیں۔ ان احکام کی موجودگی میں مسلم قوم کو کسی قدس الاقداس یا کاہنِ اعظم کی ضرورت نہیں رہتی جو انہیں خدا سے ہم کلام ہو کر اس کے منشا سے واقف کرے۔ عقیدۂ ختمِ نبوت نے فساد کے ان سارے راستوں کو اچھی طرح مسدود کر دیا ہے۔

یہود اور نصاریٰ کو جس چیز نے تھیاکریسی کے اس دام میں پھنسا دیا وہ یہ تھی کہ اُن کے مذاہب کی تعلیمات صرف اخلاق تک ہی محدود ہیں، ان کی مدد سے نہ تو زندگی کا کوئی پورا نقشہ اور نہ ہی اس کا کوئی مکمل ڈھانچہ تیار کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ان مذاہب کے پیروؤں نے جب اجتماعی زندگی کی تعمیر کرنا چاہی تو لامحالہ انہیں رہنمائی کے لیے مذہبی طبقوں پر ہی اعتماد کرنا پڑا۔ ان لوگوں نے اس موقع کو غنیمت جان کر اپنے ذاتی نظریات کو الہام کی حیثیت سے پیش کر دیا۔

ان قوموں کی گمراہی کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے پاس ان مذاہب کے بانیوں کی زندگی کے ایسے مکمل حالات موجود نہ تھے جن سے زندگی کے سارے معاملات میں رُشد و ہدایت حاصل کی جا سکتی۔ ان مقدس لوگوں کی سیرت کو ان کے اپنے ماننے والوں نے اس بری طرح

مسخ کیا کہ سوائے چند معجزات اور خرقِ عادت واقعات کے اور کوئی چیز باقی نہ رہی ظاہر ہے کہ سیرتوں کے یہ ادھورے اور نامربوط اجزا کسی کامل زندگی کی تقلید اور پیروی کا سامان فراہم نہ کر سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مفسدوں کو شر اور فساد پھیلانے کے لیے ایک نہایت ہی سازگار ماحول میسر آیا۔ مگر اسلام کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہاں سرورِ کونین کی حیاتِ طیبہ کی جس جذبۂ شوق کے ساتھ حفاظت کی گئی ہے وہ اب بھی عالم کے لیے مایۂ حیرت ہے۔ اسلام کے شیدائیوں نے جس محنت اور عرق ریزی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور متعلقاتِ زندگی کو محفوظ کیا ہے، اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ مسلمان تو مسلمان نہایت متعصب قسم کے غیر مسلم بھی اس حقیقت کو ماننے پر مجبور ہیں چنانچہ جان ڈیون پورٹ (John Devon Port) اپنی کتاب اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن (Apology for Muhammad and the Quran) کا آغاز ان الفاظ سے کرتا ہے۔

"اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام مقنن اور فاتحین میں ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے وقائع عمری، محمد کے وقائع عمری سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں۔"

ریورنڈ باسورتھ اسمتھ (Bosworth Smith) فیلو آف ٹرینٹی کالج آکسفورڈ نے ۱۸۷۴ء میں "محمدؐ اینڈ محمڈنزم" کے نام سے جو لیکچر دیئے ان میں اس حقیقت کا یوں اعتراف کیا گیا ہے:۔

"جو کچھ عام طور سے مذہب کی ابتدا نامعلوم ہونے کی نسبت صحیح ہے ان تین مذہبوں اور ان کے بانیوں کی نسبت بھی صحیح ہے جن کو ہم کسی بہتر نام موجود نہ ہونے کے سبب سے تاریخی کہتے ہیں۔ ہم مذہب کے اولین اور ابتدائی کارکنوں

Marfat.com

کی نسبت بہت کم اور ان کی نسبت جنہوں نے ان کی محنتوں میں بعد کو اپنی محنتیں ملائیں، شاید زیادہ جانتے ہیں۔ ہم زرتشت اور کنفیوشس کے متعلق اس سے بہت کم جانتے ہیں جو سولن اور سقراط کے متعلق جانتے ہیں۔ موسیٰ اور بدھ کے متعلق اس سے کم واقف ہیں جو ہم ایمبروس Ambrose اور سیزر کے بارے میں جانتے ہیں۔ ہم درحقیقت مسیح کی زندگی کے ٹکڑوں میں سے صرف ایک ٹکڑے سے واقف ہیں۔ ان تیس برسوں کی حقیقت سے کون پردہ اٹھا سکتا ہے جس نے تین سال کے لیے راستہ تیار کیا۔ جو کچھ ہم جانتے ہیں اس نے دنیا کی ایک تہائی کو زندہ کیا ہے، اور شاید بہت زیادہ کرے۔ ایک مثالی زندگی جو بہت دور بھی ہے اور قریب بھی، ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی، لیکن کتنا حصہ ہے جو ہم جانتے ہی نہیں۔ مسیح کی ماں، اُن کی خانگی زندگی، اُن کے ابتدائی احباب، ان کے ساتھ ان کے تعلقات، ان کے روحانی مشن کا تدریجی طلوع، یا یک بیک ظہور کی نسبت ہمیں کیا معلومات حاصل ہیں؟ ان کی نسبت کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے لیکن اسلام میں جو چیز ممتاز ہے وہ یہ کہ یہاں دھندلاپن اور راز نہیں ہے۔ ہم تاریخ رکھتے ہیں۔ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس قدر جانتے ہیں جس قدر لوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں۔ بیہودہ یعنی افسانے اور مافوق الفطرت واقعات ابتدائی عرب مصنفین میں نہیں ہیں یا اگر ہیں تو وہ آسانی سے تاریخی واقعات سے الگ کیے جا سکتے ہیں۔ کوئی شخص یہاں نہ خود

Marfat.com

دھوکا کھا سکتا ہے اور نہ دوسرے کو دے سکتا ہے۔ یہاں پُورے دن کی روشنی ہے، جو ہر چیز پہ پڑ رہی ہے، اور ہر ایک تک پہنچتی ہے[1]۔ خدا کی نازل کردہ کتاب اور نبی آخر الزمان کی مقدس زندگی (جو دراصل اسی کلام کی تعلیم ہی کا ایک عملی مجسمہ اور پیکر ہے) کے دائرے اتنے وسیع ہیں کہ زندگی کے کسی گوشے میں بھی کسی فتنہ پرداز کے لیے فتنہ کھڑا کرنے کی گنجائش نہیں چھوڑتے۔ اسلام نے اپنے نبی (فدا ہوں میرے ماں باپ اُن پر) کی تعلیم اور عمل، لفظ اور اس کے مصداق دونوں کو اس خوبی سے محفوظ کیا ہے کہ اب کوئی عیار بھی اس ذریعہ سے لوگوں کو فریب نہیں دے سکتا۔ ہادی برحق نے اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے یہی فرمایا تھا۔

تَرَكْتُ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللهِ وَسُنَّتِي — میں تم میں دو مرکز ثقل چھوڑ رہا ہوں خدا کی کتاب اور اپنا عملی راستہ۔

چنانچہ ملت اسلامیہ کی پُوری تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ مسلمانوں نے بعد کے ادوار میں اگرچہ اسلامی تعلیمات سے کسی حد تک بے تعلقی کا مظاہرہ کیا مگر انہوں نے کبھی بھی دین کے ان دو قلعوں میں رخنے پیدا کرنے کی جرأت نہ کی۔ وہ باوجود اپنی بے عملی کے اسی قرآن اور سنت کو اپنا آخری راہنما اور ثالث تسلیم کرتے رہے اور اس بات کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے کہ اسی کی

---

[1] بحوالہ خطبات مدراس از مولانا سید سلیمان ندوی۔

روشنی میں اپنا زندگی کا سفر طے کریں، انہیں کبھی بھی اس کی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ وہ اپنے میں سے کسی کو طور کی چوٹی پر بھیج کہ خدا کی منشا اور رضا کو معلوم کریں۔ اُن کے دلوں میں یہ خیال ہمیشہ راسخ رہا کہ وہ اسی قرآن اور سنت کی بدولت اپنی ہستی سے شعلۂ سینائی پیدا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اس لیے مسلم قوم بحیثیت مجموعی تھیاکریسی کے سارے فتنوں سے محفوظ رہی اور جب کبھی کسی کوتاہ اندیش نے اس کا عزم بھی کیا تو دین کے فدائیوں نے اس کے ناپاک ارادوں کو بالکل ناکام بنا دیا۔

یہی نہیں بلکہ اسلام نے انسانوں سے حاکمیت کے حقوق کو بالکل سلب کر کے حیاتِ انسانی میں شر کے اصل سرچشمہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے، وہ چیز جو انسان کے سارے مصائب، اس کی ساری تباہ کاریوں، اس کی تمام محرومیوں کی اصل جڑ ہے وہ یہ ہے کہ انسان اقتدار کے نشہ میں خود انسان کا خدا بن جاتا ہے۔ ان مذہبی ریاستوں میں بھی فتنے کا آغاز اسی سے ہوا کہ ایک طبقہ نے صرف اپنے آپ ہی کو خدا کی کتاب کا اصل حامل قرار دیتے ہوئے دوسروں کو اس کے علم سے بالکل محروم کر دیا اور خود اپنے زعم میں خدا کی زبان بن کر حلال و حرام کے احکام صادر کرنے لگا، اس طرح ذاتی آرا کو الہام کی سی

حیثیت حاصل ہو گئی اور وہ لوگ انسانوں کو خدا کی بجائے خود اپنے احکام کا تابع بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کفار اور مشرکین اور انبیاء علیہم السلام کی لڑائی کا محور صرف یہی باطل عقیدہ تھا۔ کفار اللہ کو اپنا رب، اس کائنات کا خالق اور اس کا مالک تو تسلیم کرتے تھے مگر وہ اسے اس کا تنہا فرماں روا اور قانون ساز نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس بحث کے بیشمار نمونے ملتے ہیں۔ یہاں صرف چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ؛ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ۔ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ؛

ان سے پوچھو کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کس کا ہے، بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ وہ کہیں گے اللہ کا ہے۔ کہو پھر تم غور نہیں

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ؛ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ؛

کرتے۔ ان سے پوچھو، ساتوں آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ کہیں گے اللہ۔ تو پھر تم اس سے ڈرتے نہیں؟ ان سے پوچھو وہ کون ہے جس کے

قُلْ مَنْ بِّيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ؛ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى

ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے اور جو سب کو پناہ دیتا ہے مگر کوئی اس کے مقابلے میں کسی کو پناہ نہیں دے سکتا؟ بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟

Marfat.com

تُسْحَرُوْنَ ۔ وہ کہیں گے کہ اللہ ۔ کہو پھر تم کس دھوکے میں ڈال دیئے گئے ہو ۔

(المؤمنون ۵)

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۔ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۔

(عنکبوت ۔ ۶)

اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور کس نے سورج اور چاند کو تابع فرمان بنا رکھا ہے وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے ۔ پھر یہ آخر کدھر بھٹکائے جا رہے ہیں ؟ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمان سے پانی اتارا اور کس نے مری ہوئی زمین کو روئیدگی بخشی ؟ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے ۔

سوال یہ ہے کہ اگر اس جھگڑے کی بنیاد خدا کا انکار نہیں تھی تو اور کیا تھی ؟ قرآن کہتا ہے یہ ساری نزاع اس بات پر تھی کہ خدا کے مرسلین کہتے تھے کہ جس خدا کو تم اس زمین و آسمان کا خالق مانتے ہو اُسے اپنا الٰہ، حاکمیت کا واحد مالک اور قانون ساز بھی سمجھو ۔ اُس کی اس بادشاہت میں کسی فرد یا گروہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنا قانون جاری کرے ۔ اگر کوئی شخص یا طبقہ ایسا کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی خدائی میں ساجھا بٹانے کی جرأت کا مرتکب ہوتا ہے ۔ چنانچہ قرآن حکیم انہی وجوہ کی بنا پر یہود و نصاریٰ کو مجرم قرار دیتا ہے ۔

Marfat.com

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔ (توبہ ۳۱)

انہوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے سوا رب ٹھیرا لیا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ ان کو حکم نہیں دیا گیا ہے مگر اس بات کا کہ ایک ہی خدا کی بندگی کریں جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ پاک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ خدا کا شریک ٹھیراتے ہیں۔

اس آیت کی تشریح خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طریق سے بیان فرمائی ہے وہ صورتِ حال کو سمجھنے کے لیے نہایت ضروری ہے عدی بن حاتم نے سرورِ عالم سے یہ پوچھا کہ یہود و نصاریٰ اپنے عالموں اور راہبوں کو رب تو نہیں کہتے! آپ نے فرمایا کہ کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ نے جو چیزیں حلال قرار دی ہیں ان کو وہ حرام کہتے ہیں تو تم ان کو حرام قرار دیتے ہو اور جن چیزوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے ان کو وہ حلال کر دیتے ہیں، تو تم ان کو حلال قرار دیتے ہو۔ عدی بن حاتم نے کہا۔ ہاں یہ بات تو ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: فتلک عبادتھم "یہی ان کی عبادت ہے"۔ اسلام نے جس طریق سے حاکمیت پرسے افراد یا طبقوں کے تسلط کو ختم کیا ہے اس سے اس قسم کے سارے فتنے خود بخود مٹ گئے ہیں۔ اور اب اسلامی حدود میں ان کو سر اٹھانے کی کبھی بھی جرأت نہیں ہو سکتی۔ یہاں فرد تو کیا پوری انسانیت کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی طرف سے کہی ہوئی کسی بات کو خدا کی طرف منسوب کرے یا اسے اس حیثیت سے پیش کرے کہ وہ فرمانِ الٰہی ہے

قرآن پاک نے جس بلیغانہ انداز میں اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے اُس سے اس مسئلہ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے :۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۔ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِيَّاهُ ۔ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۔ (یوسف : ۳۹)	حکم سوائے اللہ کے اور کسی کا نہیں ۔ اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو ۔ یہی صحیح دین ہے ۔
يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۔ (آل عمران : ۱۵۴)	وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے ؟ کہو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں ۔
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ (النحل ۱۱۶)	اپنی زبانوں سے یونہی غلط سلط نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے ۔
اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (اعراف ۵۴)	خبردار خلق اور امر اللہ کے لیے ہی ہے ۔

ان آیات شریفہ سے اس امر کی پوری طرح صراحت ہو جاتی ہے کہ قرآن پاک کی رو سے حکمرانی ، فرماں روائی ، اور قانون سازی کا اصل حق صرف ذاتِ باری تعالیٰ کو حاصل ہے ۔ انسان خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو بہر حال بندہ ہے اور اس لحاظ سے اُسے یہ بات کسی صورت بھی زیب نہیں دیتی کہ وہ اپنی اصل اور جائز حدود سے تجاوز کر کے مقام کبریائی پر فائز ہونے کا دعویٰ کرے ۔ حاکمیت خواہ سلاطین و ملوک کی ہو ، امراء و حکماء کی ہو ، خاندانوں اور نسلوں کی ہو ، علماء و

Marfat.com

احبار و رہبان کی ہو، جمہوریت و وطنیت کی ہو، خواہ خود اُس کے اپنے نفس کی ہی کیوں نہ ہو، سراسر باطل ہے۔ اس کلیہ میں کوئی استثناء نہیں، اس اصول میں کوئی لچک نہیں۔ حاکمیت کا حق عام انسانوں کو تو کیا انبیا تک کو بھی نہیں دیا گیا۔ حتیٰ کہ خداوند تعالیٰ کے سب سے برگزیدہ نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک سے بھی یہ الفاظ کہلوائے گئے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ۔

کسی بشر کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکم اور نبوت سے سرفراز کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم خدا کی بجائے میرے بندے بن جاؤ۔ بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ تم ربانی ہو۔

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا۔ (آل عمران: ۸)

(خدا) یہ حکم نہیں دیتا کہ فرشتوں اور نبیوں کو خدا بناؤ۔

اسلامی حکومت اور تھیاکریسی کے اگر اس بنیادی فرق کو ذہن نشین کر لیا جائے تو باقی امور بڑی ہی آسانی سے حل ہو سکتے ہیں۔ اسلام جس حکومت کا تصور پیش کرتا ہے اُس میں خداوند تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ کے تحت سارے مسلمانوں کو ایک محدود عمومی حاکمیت عطا کی گئی ہے۔ یہ حق کسی ایک گروہ کو تفویض نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہر مسلمان اس زمین پر خدا کا نائب، شاہد علی الناس اور امر بالمعروف اور نہی

عن المنکر میں براہِ راست خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ یہاں عامل صرف ایک فرد یا ایک گروہ کی رائے سے نہیں بلکہ سارے مسلمانوں کی رائے سے بنے گا۔ مسلمان ہی اس کو معزول کرنے کے مختار ہونگے۔ سارے انتظامی معاملات اور وہ مسائل جن کے متعلق خدا کی شریعت میں کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے۔ مسلمانوں کے اجماع ہی سے طے ہونگے۔ اور الٰہی قانون جہاں تعبیر طلب ہوگا وہاں کوئی مخصوص طبقہ یا نسل نہیں بلکہ پوری ملتِ اسلامیہ میں سے ہر شخص خواہ اس کی دنیاوی حیثیت کچھ ہی ہو اس بات کا مستحق ہوگا کہ وہ اس میں اپنی رائے پیش کر سکے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی کئی مقامات پر صراحت فرمائی ہے۔ ہم یہاں حضرت علیؓ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں:۔

قلت یا رسول اللہ الامر ینزل بنا بعدك لم ینزل فیه قرآن لم یسمع منك فیه شیٔ، قال اجمعوا العابدین من امتی و اجعلوه بینکم شوریٰ ولا تقضوا برای واحد۔ (روح المعانی)	میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے بعد کوئی معاملہ ایسا پیش آجائے جس کے متعلق نہ قرآن میں کچھ اترا ہو اور نہ آپ سے کوئی بات سنی گئی ہو؟ فرمایا میری امت میں سے عبادت گذار لوگوں کو جمع کرو اور اسے آپس کے مشورے کے لیے رکھ دو اور کسی ایک شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کرو۔

اس ضمن میں ایک بہت بڑی غلط فہمی کا ازالہ کر دینا بھی ضروری ہے۔ بعض

لوگوں نے اس حکم سے کہ اسلامی ریاست میں سب مسلمان برابر ہیں اور تعبیر کا حق کسی خاص قوم، طبقہ یا گروہ کے لیے مخصوص نہیں، یہ نتیجہ اخذ کر لیا ہے کہ ہر کس و ناکس تعبیر احکام اور اجتہاد و استنباط کرنے کا پوری طرح مجاز ہے۔ اسلام بیشک کسی ایک فرد یا چند افراد کی اجارہ داری نہیں مگر اس حدیث نے اس بات کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ کسی اجتہادی مسئلہ میں ہر شخص کی رائے بھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔ یہ کام اُنہی لوگوں کا ہے جو "عبادت گزار" ہوں۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ عیسائیت کے برعکس اسلام میں کسی پریسیٹ ہڈ کی گنجائش نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دینِ حق میں کتاب و سنت کا علم نہ تو بنی اسرائیل کی طرح نسل اور قبیلے کی میراث ہے، نہ عیسائیوں کی طرح صرف پوپ اور پادریوں تک محدود ہے اور نہ ہی ہندوؤں کی طرح صرف برہمنوں کا آبائی حق ہے بلکہ یہاں ہر شخص اس پر دقت اور محنت صرف کر کے مسائلِ شریعت میں کلام کرنے کا مجاز ہو سکتا ہے۔ اسلام میں پریسٹ ہڈ اور "برہمنیت" نہ ہونے کا اگر کوئی معقول مطلب ہے تو وہ یہی ہے۔ نہ یہ کہ اسلام کو بازیچۂ اطفال بنا کر چھوڑ دیا گیا ہے جس سے ہر شخص خواہ اُس کا علم کس قدر ناقص ہو، اس کا فکر کس قدر نارسا ہو، اور اُس کی زندگی تقویٰ سے کس قدر خالی ہو، کھیلتا پھرے۔ یہاں علم کے دروازے ہر اُس شخص پر کھلے ہیں جو اس کو حاصل کرنے کا خواہشمند ہو۔ ع

جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

اس کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ تھیاکریسی میں برسرِ اقتدار طبقہ عوام الناس سے غیر مشروط اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے۔ جس بنیادی تخیل پر اس کی تعمیر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حکمراں خدا کا نائب یا اس کا مظہر ہونے کی وجہ سے صرف اُسی کے سامنے جواب دہ ہے۔ اس لیے لوگوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اُس کے کسی قول یا فعل کے متعلق اُس سے کوئی باز پرس کر سکیں۔ اُن کا فرض صرف یہی ہے کہ وہ اقتدار کی مسند پر قابض ہونے والے لوگوں کی بلا چون و چرا اطاعت کرتے رہیں۔ اسلام نے اس کے برعکس اس امر کی بار بار صراحت فرمائی ہے کہ اسلامی ریاست میں اولی الامر اُس وقت تک لوگوں سے اطاعت کا مطالبہ کر سکتا ہے جب تک کہ وہ خود احکامِ خدا اور رسول کا پابند ہو۔ اور اگر وہ ان کی پابندی نہیں کرتا تو وہ اطاعت کا مستحق بھی نہیں ٹھیرتا۔ کیونکہ اُس کی اطاعت صرف اس لیے کی جاتی ہے کہ اس زمین میں خدا کی منشا کو پُورا کرنے کے لیے جو نظام قائم کیا گیا ہے اُس کو چلانے کے لیے وہ سب سے زیادہ اہل ہے۔ اور اگر وہ اس بنیادی مقصد کو پُورا نہیں کرتا تو اُس کی امارت بالکل بیکار ہے بلکہ سراسر ظلم اور ناانصافی ہے۔ قرآن اس باب میں صاف صاف کہتا ہے کہ:

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ

اور کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کر جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہو

Marfat.com

اَمْرُهٗ فُرُطًا ۔ (الکہف ۲۸)	اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کرلی ہو اور جس کا امر حدود آشنا نہ ہو۔
وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۔ (الشعراء ۱۵۱)	اور حد سے گزر جانے والوں کے امر کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ اس معاملے کو یوں فرماتے ہیں:۔

السمع والطاعة على المرء المسلم فيما احب وكره ما لم يؤمر بمعصية فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة	ایک مرد مسلمان پر سمع وطاعت لازم ہے خواہ برضا ورغبت خواہ بکراہت تاوقتیکہ اس کو معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ پھر اگر معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ سمع ہے نہ طاعت۔
لا طاعة في معصية انما الطاعة في المعروف ۔	معصیت میں کوئی طاعت نہیں، طاعت صرف معروف میں ہے۔

اس طرح مختلف روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضرات خلفا جب بھی لوگوں سے بیعت لیتے تو اس امر کی خود ہی صراحت فرما دیتے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کا بار سنبھالتے ہوئے جن خیالات کا اظہار فرمایا وہ

Marfat.com

اسی کی تائید کرتے ہیں۔

ایہا الناس قد ولیت علیکم ولست بخیرکم فان احسنت فاعینونی وان اساءت فقومونی الصدق امانۃ والکذب خیانۃ والضعیف فیکم قوی عندی حتی اخذ لہ حقہ والقوی ضعیف عندی حتی اخذ منہ الحق۔ اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ فاذا عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعۃ لی علیکم۔	اے لوگو! میں تمہارا ولی مقرر کیا گیا ہوں میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں بھلائی کروں تو مدد کرو۔ اگر میں برائی کروں تو مجھے تنبیہ کرو۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ تم میں سے جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اس کا حق دلوا دوں۔ اور قوی ضعیف ہے یہاں تک کہ اس سے غریب کا حق لوں۔ میری اطاعت کرو اس وقت تک جب تک کہ میں اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہوں۔ اگر میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں اسی اہم مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا ہے :۔

"امام اور خلیفہ کا تقرر انہی مصالح کے قیام و استحکام کے لیے

ہے جن کی بدولت ملت بیضا اور تمدن کا نظام احسن طریقہ پر قائم رہ سکتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت انہی دوگونہ مصالح کے حصول کے لیے ہے۔ امام المسلمین یا خلیفۃ المسلمین آپ ہی کا نائب اور آپ کے احکام کے اجرا و تنفیذ کا ذریعہ ہے۔ اس لیے اُس کی اطاعت بعینہٖ رسول اکرمؐ کی اطاعت ہے اور اس کی نافرمانی رسول خدا کے حکم کو نہ ماننے کے مترادف ہے لیکن اگر وہ کسی ایسی بات کا حکم دے جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہوتی ہے، تو اندریں حالات وہ واجب الاطاعت نہیں۔"

اس سے یہ بات بھی مستنبط ہوتی ہے کہ اسلامی حکومت، مذہبی حکومت کی طرح ارباب اختیار کو ایسے بلند مقامات عطا نہیں کرتی جو تنقید سے بالاتر ہوں یہاں ہر صاحب امر اگر ایک طرف اپنے اعمال کے لیے خدا کے سامنے جوابدہ ہے تو دوسری طرف وہ خلافت کے نازک ترین فرائض کی بجا آوری کے لیے خلق کے سامنے بھی ذمہ دار ہے۔ اسلام میں حکومت تھیا کریسی اور فسطائیت کی طرح کوئی غیر مسئول ادارہ نہیں کہ برسر اقتدار طبقے جو چاہیں کرتے پھریں اور کوئی ان سے باز پرس کرنے کی جرأت نہ کرے۔ یہاں ہر حاکم کے افعال پر احتساب کیا جا سکتا ہے۔ خود خلفائے راشدین کا اپنا عمل یہ ظاہر کرتا ہے کہ خدا کے ان پاک بندوں نے نہ صرف تنقید کو برداشت کیا بلکہ

Marfat.com

اُس کا پُوری طرح خیر مقدم بھی کیا۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ عوام کے اندر احتساب کی رُوح کا مردہ پڑ جانا پوری ملت کے لیے ایک عظیم خطرہ کا باعث ہو سکتا ہے۔ انہوں نے جب کبھی بھی یہ دیکھا کہ لوگ رسولِ خدا کے سوا کسی دوسرے انسان کو معیارِ حق بنا رہے ہیں تو وہ فوراً چوکنے ہو گئے اور اس بیماری کو دُور کرنے کی پُوری کوشش کی۔ اُن کے اس احساس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک مرتبہ لوگوں میں کچھ غلط فہمی پھیل گئی کہ آدمی پر صرف اس کے اپنے عمل کی ذمہ داری ہے۔ جماعت کے دوسرے لوگ جو چاہیں کرتے رہیں۔ ان کی برائی اور بھلائی سے متعلق خدا کے ہاں اس سے کوئی پرسش نہیں ہو گی۔ یہ لوگ قرآن پاک کی اس آیت سے دلیل پکڑتے تھے کہ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ (اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو بچاؤ جو لوگ گمراہ ہیں ان کی گمراہی تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی جب کہ تم خود ہدایت پر ہو) حضرت ابوبکرؓ کو جب لوگوں کی اس غلط فہمی کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس کو بڑی اہمیت کے ساتھ محسوس کیا اور خیال کیا کہ اگر یہ غلط فہمی عام ہو گئی تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وہ روح ہی لوگوں کے اندر مردہ ہو جائے گی جس کے بغیر اسلامی معاشرہ اور اسلامی نظام کا اپنی صحیح حالت پہ قائم رہنا ناممکن ہے۔ چنانچہ انہوں نے فوراً اس غلط فہمی کو دُور کرنے

Marfat.com

کہ میرے لوگوں کے سامنے ایک تقریر میں فرمایا:۔

"اے لوگو! تم اس آیت کا حوالہ دیتے ہو، یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ الآیہ اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ لوگ جب برائی دیکھتے ہیں اور اس کی اصلاح نہیں کرتے تو بہت ممکن ہے کہ اس کے سبب سے جو عذاب آئے وہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے[1]" (کتاب الخراج)

تاریخ عالم کا کونسا ایسا طالب علم ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رعب و دبدبہ کو نہ جانتا ہو۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے لوگوں کی تنقید کو نہایت ہی ٹھنڈے دل اور خندہ پیشانی کے ساتھ سنا بلکہ بعض موقع پر اس کی حوصلہ افزائی فرمائی[2]۔

---

[1] بحوالہ حقیقت شرک از مولانا امین احسن اصلاحی۔

[2] چند سال کا ذکر ہے کہ پنجاب میں ایک صاحب نے جو فسطائیت سے مرعوب تھے امیر کے احتساب پر شدید نکتہ چینی کی اور اپنے اس نظریہ کی تائید میں عجیب وغریب دلائل دیئے؛ اور یہاں تک بہکے کہ وہ مقدس انسان جس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے چادروں کی تقسیم کے متعلق استفسار کیا تھا اُس کے بارے میں "بدبخت" اور "کم بخت" جیسے نازیبا الفاظ کا استعمال کر ڈالا۔

Marfat.com

یہ واقعات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان سب کو ایک مستقل کتاب میں ہی سمیٹا جا سکتا ہے۔ ہم یہاں صرف چند نقل کرتے ہیں:۔

"حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا، اے عمرؓ! اللہ سے ڈر۔ اور اس جملہ کو بار بار دہرایا، ایک دوسرے شخص نے اس کو ٹوکا کہ اب بس بھی کرو، بہت ہو چکا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ان کو کہنے دو۔ اگر یہ ہمیں ایسی باتیں نہ کہیں تو ان میں کوئی خوبی نہیں اور اگر ہم ان کی نصیحتوں کو قبول نہ کریں تو ہم میں کوئی خوبی نہیں۔" (کتاب الخراج)

ایک دفعہ رعایا کے حقوق و فرائض کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اور تم میرے نفس کے مقابلہ میں میری مدد اس طرح کر سکتے ہو کہ مجھے بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ نیز خدا نے تمہاری جو ذمہ داری مجھ پر ڈالی ہے اس کے بارہ میں میری خیر خواہی یہی ہے کہ مجھے نصیحت کرتے رہو۔" (کتاب الخراج)

اسی طرح حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے ارشاد فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ خواص کی بدکاریوں کی پاداش میں عوام کو نہیں پکڑتا مگر جب برائیاں کھلم کھلا ہونے لگتی ہیں اور ان کے خلاف آواز نہیں اٹھتی تو سب سزا کے مستحق قرار پاتے ہیں۔" (کتاب الخراج)

Marfat.com

خلفائے راشدین کے اسی خدا پرستانہ طرزِ عمل کا نتیجہ تھا کہ ایک معمولی سے معمولی بدو اور غریب سے غریب بڑھیا برسرِ عام حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر خلیفہ سے بغیر کسی خوف کے باز پرس کرتے ہیں۔ اُن سے پوچھتے ہیں کہ اے عمرؓ تم نے یہ کیوں کیا۔

اس قبیل کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ اور یہ سب اس بات کی قوی دلیل ہیں کہ اسلامی حکومت میں تھیاکریسی کی طرح اختلافِ اقتدار کے سامنے دم بخود نہیں ہوتا، تنقید اس کے رُوبرو مہر بہ لب نہیں رہتی بلکہ عوام کو اس بات کا پورا حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ خلیفہ کے نجی سے نجی معاملہ پر بھی اگر ضرورت پیش آئے تو بلا تامل اور بے دریغ حرف گیری کریں۔

تھیاکریسی جن نظریات کے سہارے زندہ رہی اُن میں ایک نسلی اور نسبی فضیلتوں کا عقیدہ بھی ہے۔ ہندوستان کے قدیم برہمن اور یہود و نصاریٰ کے مذہبی پیشوا ایک مدت تک مرجعِ خلائق بننے اور امن و فارغ البالی کی زندگی میسّر آنے کی وجہ سے اس غلط میں مبتلا ہو چکے تھے کہ یہ اُن کا پیدائشی حق ہے۔ وہ خدا کے سب سے زیادہ عزیز اور محبوب بندے ہیں اور اس لیے یہ عزت، یہ سیادت، یہ سربراہی اُن کا لازمی حصہ ہے جو کبھی اُن سے

منفک نہیں ہو سکتا۔ قرآن حکیم اُن کے ان دعووں کو سراسر باطل قرار دیتا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے :۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى	اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں ہم اللہ کے
نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۔ قُلْ	بیٹے اور اس کے دوست ہیں۔ پوچھو پھر
فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ	خدا تمہیں گناہوں کے بدلے میں سزا کیوں
اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَنْ	دیتا ہے بلکہ تم بھی خدا کی مخلوق کے عام
يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۔	آدمیوں کی طرح ہو وہ بخشے گا جس کو
(مائدہ : ۵ : ۲۱)	چاہے اور سزا دے گا جس کو چاہے۔

اسلامی حکومت میں شرافت اور بزرگی کا معیار کسی خاص قبیلہ اور گروہ سے متعلق نہیں بلکہ اس کا معیار تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ قرآن حکیم نے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ کہہ کر صرف انسانی اعمال کو شرف و احترام کا مستحق ٹھہرایا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نسل و نسب کے تفاخر کو جو ٹھیا کسی کی جان ہے یہ کہہ کر ختم کر دیا۔

یا معشر قریش، ان اللہ	اے قریش کے لوگو! اب جاہلیت کا
قد اذھب عنکم نخوۃ	غرور اور نسب کا فخر خدا نے مٹا دیا ہے
الجاھلیۃ وتعظمھا بالآباء	تمام انسان آدم کی نسل ہیں اور آدم
الناس من آدم و آدم من	مٹی سے بنے ہیں۔

ثواب۔ (ابن ہشام)

حجۃ الوداع کے مجمع میں پھر اعلان فرمایا:۔

لیس للعربی فضل علی — عرب کو عجم اور عجم کو عرب پر کوئی فضیلت

العجمی ولا للعجمی فضل علی — نہیں ہے، تم سب کے سب آدم کے

العربی کلکم ابناء آدم و آدم — بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔[1]

من تراب۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک سپہ سالار کو ضروری ہدایت دیتے

ہوئے اس اصول کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی:۔

لیس بین اللہ و بین احد — اللہ اور کسی شخص کے درمیان کوئی رشتہ

---

[1] حدیث شریف میں ہے لا تاتونی بانسابکم واتونی باعمالکم (میرے سامنے نسب نہ لاؤ، عمل لاؤ) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف یہ شعر منسوب ہے:

انا ابن نفسی وکنیتی ادبی — من عجم کنت او من العرب

ان الفتی من یقول ها انا ذا — لیس الفتی من یقول ابی

میں اپنے نفس کا بیٹا ہوں اور کنیت میرا ادب ہے نسب عجمی ہو یا عربی مردود ہے۔ جوان وہ ہے جو اپنی ذات کو پیش کرے، نہ کہ وہ جو باپ کا نام پیش کرے۔

Marfat.com

بنسب الا بطاعة فالناس	نہیں ہے مگر اس کی اطاعت کے واسطے
شریفهم ووضیعهم فی دین	سے اس وجہ سے خدا کے قانون میں
الله سواء ۔	شریف اور حقیر سب برابر ہیں ۔

عدل و انصاف کے یہ سنہری اصول صرف قول و اقرار تک ہی محدود نہ تھے بلکہ زمانہ اس بات پر گواہ ہے کہ انہیں دنیا میں نافذ بھی کیا گیا، ان کے ذریعہ دنیا بھر کی سطوت و خدائی ختم ہوئی۔ اس زمین پر صرف ایک خدا کے تخت کو بچھایا گیا، پندار و غرور نے الوہیت و خدائی کی جتنی صورتیں اختیار کر رکھی تھیں اُن سے انسان کو نجات نصیب ہوئی اور نسل و قوم کے نام پر انسانی خواہشات اور آرزوؤں کے جتنے صنم خانے آباد تھے انہیں نیست و نابود کر دیا گیا۔ اگر اس کائنات کے حافظہ میں نسبی برتری اور تفوق کے چند روح فرسا واقعات محفوظ ہیں تو اسی کائنات کے لیل و نہار کی سلوٹوں میں آج ہمیں ایک ایسا روشن دور بھی ملتا ہے جس میں امیر و غریب، حاکم و محکوم کے سارے مصنوعی اختلافات حرفِ غلط کی طرح مٹا دیئے گئے۔

یہ اسی "دورِ سعید" کا اعجاز تھا کہ "محمود و ایاز" صرف مسجد میں ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر میدان میں ایک ہی صف میں کھڑے کر دیئے گئے۔ کہاں یہ ظلم کہ کوئی نیچ ذات کا انسان اونچی ذات کے انسان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہ کرتا اور کہاں یہ انصاف کہ ایک معمولی سے معمولی شخص بھی اپنے

Marfat.com

وقت کے خلیفہ، اور سب سے زیادہ بااختیار انسان کو عدالت کے کٹہرے میں بلوانے کا مجاز ٹھہرا۔ ایک خلیفہ کا تو ذکر ہی کیا خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے قانون کے معاملہ میں کوئی رعایت طلب نہیں کی۔

ایک مرتبہ قریش کے ایک معزز گھرانے کی ایک عورت نے چوری کی۔ چوری کی سزا اسلام میں ہاتھ کاٹ دینا ہے، بعض لوگوں نے اس عورت کی خاندانی عظمت کے پیشِ نظر اُس کے لیے قانون میں کچھ رعائت حاصل کرنا چاہی۔ چنانچہ اسامہؓ بن زید سے، جو آنحضرت کو نہایت ہی محبوب تھے درخواست کی گئی کہ وہ اس عورت کے بارے میں آپ سے سفارش کریں۔ انہوں نے لوگوں کے اصرار سے مجبور ہو کر آنحضرت سے سفارش کی۔ آپ نے اُن کی اس حرکت پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ پھر لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے بہت سی قومیں اس وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی معمولی آدمی ارتکابِ جرم کرتا تو اسے سزا دیتے مگر جب کوئی بااثر آدمی یہ حرکت کرتا تو اس سے درگذر کرتے۔ اس کے بعد نہایت ہی زور کے ساتھ یہ فرمایا:-

والّذی نفس محمّد بیدہٖ	اس ذات کی قسم جس کی مٹھی میں محمدؐ کی
لو سَرَقَتْ فاطمۃ بنت	جان ہے اگر فاطمہؓ بنتِ محمدؐ نے چوری
محمدٍ لقطعتُ یَدَھا۔	کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ بھی ضرور کاٹ دیتا۔

اس بے لاگ عدل کی ایک دوسری مثال بھی ملاحظہ ہو:۔

"عمرو بن عاص مصر کے فاتح بھی تھے اور وہاں کے گورنر بھی تھے
اُن کے بیٹے محمد کا قصہ ہے کہ اس نے ایک مصری کے کوڑے مارے
اور مارتے ہوئے یہ کہا۔ "کہ یہ لے۔ میں ایک بڑے باپ کا بیٹا
ہوں۔" عمرو بن عاص نے مصری کی دادرسی کرنے کی بجائے الٹے اس
کو گرفتار کر لیا کہ کہیں مدینہ جا کر امیر المومنین سے شکایت نہ کر دے
مصری کچھ مدت کے بعد جب رہا ہوا تو سیدھا مدینہ پہنچا اور اس
ظلم کی شکایت حضرت عمرؓ سے کی۔ حضرت عمرؓ نے مصری کو اپنے
پاس روک لیا اور عمرو بن عاص اور ان کے بیٹے کو مصر سے طلب
فرمایا۔ دونوں مجلس قصاص میں حاضر کیے گئے۔ اس کے بعد حضرت
عمرؓ نے مصری کو بلایا اور اس کے ہاتھ میں کوڑا دے کر فرمایا
"یہ لے اور پہلے اس بڑے باپ کے بیٹے کی خبر لے۔" مصری
نے محمد کو مارا اور لہولہان کر دیا۔ اور اس دوران میں حضرت عمرؓ
برابر فرماتے رہے کہ "ہاں مار اس بڑے باپ کے بیٹے کو۔" جب
مصری مار چکا اور کوڑا حضرت عمرؓ کو واپس کرنے لگا تو حضرت عمرؓ
نے اس سے فرمایا۔ "کہ ایک آدھ عمرو بن عاص کی چندیا پر رسید
کر کیونکہ انہی کے بل پر ان کے برخوردار نے تجھے کوڑے مارنے کی

جرأت کی، عمرو بن عاص نے عرض کی امیر المومنین! انصاف کا حق ادا ہو گیا، مصری نے بھی کہا کہ امیر المومنین میرے ساتھ جس نے زیادتی کی تھی، میں نے اس سے بدلہ لے لیا اب کسی اور سے بدلہ لینے کا خواہشمند نہیں ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھے اختیار ہے ورنہ اگر تو ان کو بھی مارتا تو میں ان کے اور تیرے درمیان حائل ہونے والا نہیں تھا۔ یہاں تک کہ خود ان کو چھوڑ دیتا۔ اس کے بعد عمرو بن عاص کی طرف نہایت غضبناک انداز میں دیکھ کر بولے "عمرو! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا ہے۔ حالانکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا تھا"[1]

دنیا کے اس جلیل القدر انسان نے اپنی قوت و جبروت کے باوجود جس احسن طریقہ سے اپنے آپ کو ایک عام مسلمان کی سطح پر زندہ رکھا۔ اس کی مثال "مذہبی حکومت" میں تو کیا دور جدید کی کسی متمدن سے متمدن حکومت میں بھی نہیں ملتی۔ اپنی درماندگی کا اعتراف کرتے ہوئے انہوں نے ایک دفعہ فرمایا:۔

"میں ایک عام مسلمان اور کمزور بندہ ہوں۔ صرف اللہ تعالیٰ

---

[1] بحوالہ اسلامی ریاست از مولانا امین احسن صاحب اصلاحی

Marfat.com

کی مدد کا مجھے بھروسہ ہے۔ میں جس منصب پر مقرر کیا گیا ہوں انشاء اللہ وہ میری طبیعت میں ذرہ برابر بھی تغیّر پیدا نہیں کر سکے گا۔ بزرگی اور بڑائی جتنی کچھ بھی ہے سب اللہ کے لیے ہے: بندوں کے لیے اس میں کوئی حصّہ نہیں ہے۔ تم میں سے کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملے گا کہ عمر خلیفہ بن کے کچھ سے کچھ ہو گیا ہے۔ میں اپنی ذات سے بھی حق وصول کر لوں گا اور جس معاملہ میں ضرورت ہو گی خود بڑھ کر صفائی پیش کر دوں گا۔ جس شخص کو کوئی ضرورت ہو یا جس پر کوئی ظلم ہوا ہو، یا جو شخص میری کسی بات پر نکتہ چینی کرنا چاہتا ہو، وہ براہِ راست میرے پاس آئے میں تمہارے ہی اندر کا ایک آدمی ہوں۔ تمہاری بہبود مجھے عزیز ہے، تمہاری خفگی مجھ پر گراں ہے۔"[1]

باطل پرست عربوں کو حضور سرورِ دو عالم کے جس کام کا سب سے زیادہ شکوہ تھا وہ یہی ہے کہ آپ کی تعلیم سے مساوات و اخوت کے اصول مستحکم ہوئے اور نسلی شرافت و فضیلت کے تصوّر کو صدمہ پہنچا۔ ابو جہل اسی چیز پر سب سے زیادہ برافروختہ تھا اور

---

[1] بحوالہ اسلامی ریاست از مولانا امین احسن صاحب اصلاحی۔

Marfat.com

غضبناک ہو کر کہتا ہے ؎ ... کو جانتے

مذہبِ او قاطعِ ملک و نسب
از قریش و منکر از فضلِ عرب
در نگاہِ او یکے بالا و پست
با غلامِ خویش بر یک خواں نشست
احمراں با اسوداں آمیختند
آبروئے دودمانے ریختند

Marfat.com

اسلام اور تھیاکریسی کے اساسی تصورات

اسلام اور تھیاکریسی کے اساسی تصورات بھی ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ تھیاکریسی کی عمارت جس بنیاد پر اٹھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حکومت گناہ کا نتیجہ ہے۔ یہ نظریہ درحقیقت اس غلط تصور کا شاخسانہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اُن کے اوّلین گناہ کی پاداش میں اس دنیا میں اُتارا۔ لہٰذا محکومیت اور وہ جبر اور ظلم جو حکومت کا لازمی جزو ہے، سب اسی ایک گناہ کی سزا ہیں۔ ریاست کے وجود میں آنے کا سبب بھی یہی ہے کہ انسان نے خدا کے احکام سے روگردانی کر کے شیطان کا کہا مانا، لیکن تقدیرِ الٰہی سے مفر نہیں، انسان کو دنیاوی زندگی ہر صورت سے بھگتنا ہے اور اس طرح ان تمام مصائب کو بھی جھیلنا ہے جو

دنیاوی زندگی کا خاصہ ہیں، کیونکہ خدا کا منشا یہی ہے۔ ان سب باتوں کو جانتے ہوئے انسان کو چاہیے کہ وہ حکومت ایسے ظالمانہ ادارے کی ساری چیرہ دستیوں کو نہایت ہی خندہ پیشانی سے برداشت کرے اور اس معاملہ میں وہ جس قدر صبر و ثبات کا ثبوت دے گا اسی قدر وہ آخرت میں انعام کا مستحق ٹھیرے گا۔ ریاست بڑی حد تک ڈاکوؤں کا راج ہے۔ مگر اسے انسانی میراث اور سرشت کے عیب نے ہی جنم دیا ہے اور اس لحاظ سے اس سے سرکشی کرنا خدا کے منشا کے خلاف ہے۔ چنانچہ پروفیسر کولنز (Collins) اپنے ایک مشہور لیکچر بعنوان (Unity, Catholic and Papal) میں لکھتا ہے :-

"حکومت ایک ایسا ادارہ ہے جس کی بنیاد انسانوں کی بجائے خدا نے رکھی ہے، لہٰذا جس قسم کی حکومت بھی ہو وہ عین منشاء الٰہی کے مطابق ہے۔ اور اس میں ردّ و بدل کا خیال بھی راہِ راست سے انحراف ہے"

اسلام بنیادی طور پر انسان کے پیدائشی گنہگار ہونے کے تصور کو غلط قرار دیتا ہے اور اس طرح اس تخیل کی کوکھ سے جتنے باطل نظریات نے جنم لیا ہے، خواہ اُن کا تعلق سیاست و آئین سے ہو، یا علم و فلسفہ سے، سب کی نفی ہو جاتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی ندامت و انفعال،

Marfat.com

پر حق تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور اب اُن کی مقدس ذات، پر گناہ کا کوئی معمولی سے معمولی دھبّہ بھی باقی نہ رہا۔ انہیں دنیا میں رہنے کا جو حکم دیا گیا تھا وہ اُن کے معاف کر دیئے جانے کے بعد بھی اس لیے برقرار رہا کہ علم خداوندی میں یہ بات تھی کہ آدم دنیا ہی میں رہ کر اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکیں گے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اپنی کتاب "اسلامی الٰہیات کی جدید تشکیل" میں حضرت آدمؑ کے جنت سے نکالے جانے کی نہایت ہی بلیغ تفسیر پیش فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں :-

"جنت میں آدمؑ کی زندگی دراصل انسانیت کے اس ابتدائی دور سے عبارت ہے جب کہ اس میں احساسِ خودی پیدا نہ ہوا تھا اور اُس نے اپنے ارادہ اور علم کی قوت سے ماحول سے مطابقت کرنا نہ سیکھا تھا۔ اُس کا دل آرزو اور احتیاج کی خلش سے بیگانہ تھا۔ یہ واقعہ دراصل اس حقیقت کی یادگار ہے کہ کس طرح انسان نے اپنے جبلّی میلانات کے دائرہ سے باہر قدم نکالا اور ایک آزاد اور با اختیار الیغو کا مالک بنا۔ اس میں آگہی، وقوف، شک اور خلاف ورزی کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ آغوشِ فطرت میں طویل خواب کے بعد اب وہ بیدار ہوا اور اس کو پہلی مرتبہ یہ محسوس ہوا کہ واقعات و حوادث کے اسباب اس کی ذات میں

Marfat.com

پنہاں ہیں۔ آدم کی نافرمانی اس کے لیے ایک سبق تھی۔ اس طرح اُس نے اپنے اختیار و ارادہ کو برتنا سیکھا۔ اس لیے اُس کا قصور معاف کر دیا گیا۔ قرآن حکیم میں اس کا ذکر نہیں ملتا کہ بہشت سے نکلنے کے بعد دنیا آدم کے لیے کلفت و زحمت کی جگہ بنائی گئی تاکہ وہ اپنے گناہ کی سزا پائے۔ یہ تصور بالکل غیر اسلامی ہے۔[1]

اسی طرح عہدِ حاضر کے ایک مسلمہ مفکر نے اپنی تفسیر "تفہیم القرآن" میں اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"آدم نے توبہ کی اور اللہ نے قبول کر لی۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آدم اپنی نافرمانی پر عذاب کے مستحق نہ رہے۔ گناہ گاری کا جو داغ ان کے دامن پر لگ گیا تھا وہ دھو ڈالا گیا۔ نہ یہ داغ ان کے دامن پر رہا، نہ ان کی نسل کے دامن پر اور نہ اس کی ضرورت پیش آئی کہ معاذ اللہ! خدا کو اپنا اکلوتا بھیج کر نوعِ انسانی کا کفارہ ادا کرنے کے لیے سولی پر چڑھوانا پڑتا۔ برعکس اس کے اللہ نے آدم علیہ السلام کی توبہ ہی قبول کرنے پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ اس کے بعد انہیں نبوت سے بھی سرفراز کیا تاکہ وہ اپنی نسل انسانی کو سیدھا

---

[1] ترجمہ از ڈاکٹر یوسف حسین خاں

راستہ بتا کر جائیں۔ اب جو جنت سے نکلنے کا حکم پھر دہرایا گیا، تو اُس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ قبولِ توبہ کا یہ مقتضیٰ نہ تھا کہ آدمؑ کو جنّت ہی میں رہنے دیا جاتا اور نہ زمین پر نہ اُتارا جاتا۔ زمین اُن کے لیے دارالعذاب نہ تھی، وہ یہاں سزا کے طور پر نہیں اُتارے گئے، بلکہ انہیں زمین کی خلافت ہی کے لیے پیدا کیا گیا تھا۔ جنت ان کی اصلی جائے قیام نہ تھی۔ وہاں سے نکلنے کا حکم اُن کے لیے سزا یابی نہ رکھتا تھا۔ اصل تجویز تو ان کو زمین پر اُتارنے کی تھی۔ البتہ اس سے پہلے ان کو اُس امتحان کی غرض سے جنّت میں رکھا گیا تھا۔"

قرآن پاک کے ایک بلند پایہ مفسّر علّامہ ابنِ کثیرؒ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل فرماتے ہیں:۔

"حضرت آدمؑ نے کہا خدایا کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا؟ اور مجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی۔ ... کیا تیری رحمت غضب پر سبقت نہیں کر گئی؟ کیا میری پیدائش سے پہلے یہ خطا میری تقدیر میں نہیں تھی؟[1] جواب ملا کہ ہاں یہ سب میں نے کیا ہے تو

---

[1] ممکن ہے کہ اس سے کسی شخص کے ذہن میں یہ غلط فہمی پیدا ہو کہ جب اُن کی تقدیر میں اسی طرح لکھا جا چکا تھا تو اُن کا اس میں کیا قصور ہوا۔ اسی مقام (باقی صفحہ ۶۹ پر)

Marfat.com

کہا پھر خدایا میری توبہ قبول کر کے مجھے جنت مل سکتی ہے یا نہیں؟

جواب ملا کہ ہاں؟

چند سطحیں آنکھوں کے لیے عیسائیت اور اسلام کے درمیان یہ اختلاف خواہ کس قدر معمولی ہو، مگر وہ شخص جس نے کبھی بھی زندگی کی گہرائیوں میں اُتر کر اس کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے کہ اس

(بقیہ حاشیہ ۶۸) کی تصریح میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:-

"زمین یعنی اپنی جائے تقرر پر خلیفہ کی حیثیت سے بھیجے جانے سے پہلے ان دونوں کو امتحان کی غرض سے جنت میں رکھا گیا تھا تاکہ ان کے رجحانات کی آزمائش ہو جائے ۔ ۔ ۔ اس امتحان کے لیے یہ جنت ہی کا مقام سب سے زیادہ موزوں تھا۔ دراصل اسے امتحان گاہ بنانے کا مقصد یہ حقیقت انسان کے ذہن نشین کرنا تھا کہ تمہارے لیے تمہارے مرتبۂ انسانیت کے لحاظ سے جنت ہی لائق و مناسب مقام ہے لیکن شیطانی ترغیبات کے مقابلے میں اگر تم اللہ کی فرمانبرداری کے راستے سے منحرف ہو جاؤ گے تو جس طرح ابتدا میں اس سے محروم کیے گئے تھے اسی طرح آخر میں بھی محروم ہی رہو گے اپنے اس مقام لائق کی، اپنی اس فردوس گم گشتہ کی بازیافت تم صرف اسی طرح کر سکتے ہو کہ اپنے اس دشمن کا کامیابی سے مقابلہ کرو جو تمہیں فرمانبرداری کے راستے سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے!"

"معمولی فرق" نے دونوں قوموں کی زندگیوں میں ایک عظیم تفاوت پیدا کر دیا ہے۔ ایک کے نزدیک اگر یہ زندگی دار العذاب ہے تو دوسرے کے نزدیک یہ خدا کا سب سے بڑا فضل اور احسان ہے، جس کے ذریعہ اُسے اپنے مالکِ حقیقی سے اپنے تعبد اور وفاداری کو ثابت کرنے کا پورا پورا موقع بہم پہنچتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائیت اور اسی طرح کے دوسرے مذاہب کو ماننے والے لوگ اس حیات کو ایک بارِ گراں خیال کرتے ہوئے، اور دنیاوی تعلقات کو طوق و سلاسل سمجھتے ہوئے اس سے فرار اور گریز کی راہیں اختیار کرنے لگے۔ انہوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ انسان کے لیے سب سے بڑی مصیبت یہ زندگی اور اس کی مادّی احتیاجات ہیں اس لیے نیکی اسی میں ہے کہ جسم کو زیادہ سے زیادہ اذیت پہنچا کر اس قفسِ عنصری کو اس قدر کمزور کر دیا جائے کہ طائرِ روح جب چاہے آزادانہ اپنے آشیانہ کی طرف پرواز کر سکے۔ زندگی کے متعلق اس نقطۂ نظر کو اختیار کر لینے کے بعد جسم اور اس کے متعلقات سے نہ صرف انسان غفلت برتنا شروع کر دیتا ہے بلکہ اس کے خلاف ایک ایسا معاندانہ جذبہ بھی پیدا کرتا ہے جو کسی راہ رو کو ایسے پتھر کے مقابلہ میں پیدا ہوتا ہے جس سے اُس نے بار بار ٹھوکر کھائی ہو، یا ایک مجبورِ آشیاں طائر کے دل میں اپنے قفس کے خلاف پیدا ہوتا ہے۔ اس طرزِ فکر نے انسانوں کو متمدن بستیوں سے نکال کر انہیں صحراؤں اور ویرانوں میں لاکر آباد کر دیا، انہوں نے زندگی اور

Marfat.com

اس کے مسائل میں دلچسپی لینے کی بجائے اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا شروع کردی۔ اگر ان راہبوں کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی زندگی ہر قسم کی حس و حرکت سے عاری تھی اور ان کی زیست پر موت کا دھوکا ہوتا تھا۔ تاریخ اخلاق یورپ کا مصنف پروفیسر لکی لکھتا ہے :۔

"مشرکانہ تعدیوں کا مسیحی نفوس پر ایک اثر یہ بھی پڑا کہ جو شخص مذہب کے لیے جتنی زیادہ تکالیف اٹھاتا ہے اسی قدر اسے ثواب ملتا ہے۔ پس تعدیوں کے خاتمہ پر جب مظالم برداشت کرنے کا کوئی موقعہ نہیں رہا تو خوش اعتقاد مسیحیوں نے جنگل میں جا جا کر طرح طرح کی تکالیف اپنے لیے پیدا کیں۔ لوگوں کے تخیل کو اس طرز زندگی سے خاص طور پر کوشش کر کے متاثر کیا گیا۔ نئے لوگ اس میں اہتمام سے بھرتی کیے جانے لگے اور اس داخلہ میں عورتوں نے پوری سرگرمی سے کوشش شروع کی[1]"

---

[1] ان لوگوں کے لیے اسوۂ حسنہ سینٹ جمیس کا وجود قرار پایا۔ جس کی ذات میں تمام فضائل انسانی جمع تھے اور جو رحم مادری سے مقدس و مطہر پیدا ہوا تھا اس کے اوصاف یہ تھے کہ :۔

"وہ شراب مسکرات و لحم حیوانات سے محترز تھا۔ اس کے سر پر

(باقی صفحہ ۷۲ پر)

دنیا کی تاریخ میں شاید اس وبائے رہبانیت سے زیادہ پُردرد، پُراثر کوئی داستان نہیں۔ وہ اقوام جو افلاطون (Plato) اور سسرو کے خم کدہ سے سرشار تھیں وہ بھی دنیا اور اس کے ہنگاموں سے منہ موڑ کر جنگلوں کی طرف جانے لگیں۔ ان کی ساری زندگیاں ہر قسم کے لطیف جذبات اور اچھے احساسات سے عاری ہو کر ظالمانہ خود آزاریوں کے لیے وقف ہو گئیں اور دو چار سال نہیں بلکہ پورے دو سو سال تک جسم کشی منتہائے اخلاق سمجھی جانے لگی۔ سینٹ جروم نہایت ہی فخر سے بیان فرماتے ہیں:۔

"ایک راہب صاحب نے ۳۵ سال کی زندگی صرف نانِ جویں اور خاک آلود پانی پر بسر کی تھی۔ ایک اور بزرگ مدۃ العمر ایک تنگ و تاریک غار میں رہا کرتے اور کبھی روزانہ غذا میں پانچ انجیروں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱) کبھی اُسترہ نہیں لگا وہ نہ کبھی حمام گیا اور نہ اپنے جسم میں روغن لگنے دیا۔ اُس نے ہمیشہ سُوتی کپڑے پہنے۔ اُون کی پوشاک کبھی نہیں پہنی۔ گرجا کے اندر وہ روز تنہا جایا کرتا۔ اور گھٹنوں کے بل جھک کر خلقت کی مغفرت کی دعائیں کیا کرتا۔ اس عمل کی مزاولت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے گھٹنے اونٹ کے گھٹنوں کی طرح سخت ہو گئے"۔

(تاریخ اخلاق یورپ از لیکی۔ ترجمہ از مولانا عبدالماجد دریا بادی)

Marfat.com

زیادہ نہ کھایا۔ ایک تیسرے بزرگوار ان سے بھی بڑھ چڑھ کر تھے۔ یہ حضرت سال بھر میں صرف ایک بار الیشر کے دن اپنی حجامت بنواتے تھے، نہ کبھی کپڑے دھوتے تھے اور نہ کبھی لباس بدلتے تھے، تاوقتیکہ وہ خود ہی پارہ پارہ ہو کر جسم سے علیحدہ نہ ہو جائے۔ آنکھوں کی بصارت نے شدتِ فاقہ کشی سے جواب دے دیا تھا اور جسم کی جلد مثل پتھر کے سخت اور کھردری ہو گئی تھی۔ اسی طرح سینٹ میکریس اسکندری کی بابت مشہور ہے کہ وہ چھ ماہ تک برابر ایک دلدل میں سویا کرتے تاکہ اُن کے برہنہ جسم کو زہریلی مکھیاں ڈسیں۔ نیز یہ کہ وہ ہمیشہ ایک من لوہے کا وزن اپنے اوپر لادے رہتے تھے۔ اُن کے مرید سینٹ یوسیپس اُن سے بھی بازی لے گئے تھے کہ یہ حضرت ہمیشہ تقریباً دو من لوہے کا وزن لادے رہتے تھے اور تین سال تک ایک خشک کنوئیں کے اندر مقیم رہے ۔ ۔ ۔ ۔ پیلو یا ایک مشہور درویشہ ہوئی ہیں ان کا سن شریف ساٹھ سال تک پہنچ گیا تھا اور بارہا کثافت کے باعث سخت بیمار ہوئیں۔ لیکن کبھی بجز اپنی انگلیوں کے اور کسی حصۂ جسم میں پانی نہیں لگنے دیا۔[1]

---

[1] تاریخ اخلاق یورپ۔ ترجمہ از مولانا عبدالماجد دریا بادی۔

Marfat.com

ریاضت اور عبادت کے ایسے ظالمانہ طریقے اتنے زیادہ ہیں کہ انہیں ایک مستقل کتاب کے صفحات کے اندر بھی سمیٹنا ناممکن ہے۔ ان کے چند نمونے جو یہاں نقل کیے گئے اُن سے ہمارا مقصود یہ بتانا ہے کہ تھیاکریسی کا یہ تصوّر انسانیت کو کن خطرناک راہوں پر لے گیا۔ اس سے نہ صرف انفرادی زندگی پائمال ہوئی بلکہ معاشرتی اور سیاسی زندگی کی قدریں بھی یکسر بدل گئیں۔ اس سے اگر انسان نے ایک طرف اپنی ذاتی سیرت سے زندہ دلی، خوش طبعی، صاف گوئی، فیاضی، شجاعت اور جرأت ایسی صفات عالیہ کو خارج کر دیا تو دوسری طرف معاشرتی زندگی کی بنیادیں بھی مسمار کر دیں۔ لوگوں کے دلوں سے اپنے اعزّہ اور اقارب کا احترام حیرت انگیز سُرعت کے ساتھ مٹنے لگا۔ ان لوگوں کی زندگی کا منتہائے نظر یہ ہوتا تھا کہ خود انہیں نجاتِ اُخروی حاصل ہو۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ ان کے متعلقین و متوسلین کا ان کی غفلت اور فسادِ قلبی سے کیا حشر ہو رہا ہے۔ اس کا اندازہ مندرجۂ ذیل دو مثالوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

"ایک راہب صاحب کے پاس مدت دراز کے بعد اُن کے والدین کے خطوط دریافت کے لیے پہنچے۔ حضرت کو یہ خیال گذرا کہ کہیں ان کے پڑھنے سے میری یکسوئی خیال میں انتشار نہ پیدا ہو، اور اُن کو بے پڑھے آگ میں جھونک دیا۔ ایک اور شخص کا قصہ

Marfat.com

مشہور ہے کہ اُسے راہب بننے کا شوق پیدا ہوا اور وہ ساری جائداد و املاک پر لات مار کے صرف اپنے ہشت سالہ بچّہ کو ہمراہ لے کر خانقاہ کے دروازہ پر پہنچا۔ راہبوں نے اس کا خیر مقدم کیا۔ لیکن وہ ابھی اُسے اپنی جماعت میں کیونکر شریک کر سکتے تھے۔ گو وہ اپنی دولت و ثروت کو بھول چکا تھا۔ تاہم اولاد کی ماِمتا تو اس کے دل سے ابھی تک نہیں نکلی تھی۔ اس خیال کی بنا پر اُس کا بچّہ اُس سے لے لیا گیا۔ کھانے، پہننے، چلنے، پھرنے غرض ہر شے سے متعلق اُس پر ہر طرح کی سختیاں برتی جانے لگیں اور ہر طرح کی ذلتوں اور سزاؤں کا اُسے شکار بنایا جانے لگا۔ پدرِ داور اپنی نجات کا حریص باپ روزمرہ یہ تماشہ دیکھتا لیکن کبھی مُنہ سے اُف تک نہ نکالتا۔ یہاں تک کہ ایک روز پیرِ خانقاہ کا اسے یہ حکم ملا کہ بچّہ کو لے جا کر دریا میں ڈال دے۔[1]

اس آدم بیزار اور مردم آزار اندازِ فکر سے نہ صرف معاشرتی زندگی متاثر ہوئی بلکہ قوموں کی سیاسی زندگی پر بھی اس نے نہایت ہی گھناؤنے اثرات پیدا کیے۔ راہبوں کے اس گروہ نے بے شبہ کبھی حکومتوں کے خلاف براہِ راست اقدام نہیں کی تاہم وہ ہمیشہ لوگوں کو حکومت کی جانب سے برگشتہ یا کم از کم بے تعلق

---

[1] تاریخ اخلاق یورپ۔ ترجمہ از مولانا عبدالماجد دریابادی۔

Marfat.com

بناتے رہے اور علانیہ کہتے رہے کہ انہیں نظام حکومت، اور اسی قسم کی دنیاوی باتوں سے قطعاً کوئی سروکار نہیں کیونکہ حقیقی ترقی صرف اسی میں ہے کہ انسان اپنی جان پر زیادہ سے زیادہ جبر سہنے کی قوت پیدا کرے۔

ظاہر بات ہے کہ ان تصورات سے کسی تمدن کی تخریب تو کی جا سکتی ہے مگر ان سے کسی تمدن کی تعمیر کا کام نہیں لیا جا سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن لوگوں نے تمدنی زندگی کی تعمیر کرنا چاہی، انہوں نے جب یہ دیکھا کہ رہبانیت ایک ایسا نظام پیش کرتی ہے جس کی فطرت انسانی متحمل نہیں ہو سکتی تو انہوں نے اس سے یکسر بغاوت کر کے تمدن کو خالص مادہ پرستانہ بنیادوں پر استوار کیا۔ اُن کی یہ روش فطرت کے عین مطابق تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حسیّت دنیا میں اپنے اصول پر تمدن قائم کرنے میں آسانی سے کامیاب ہو جاتی ہے۔ لیکن روحانیت خالصہ کے فلسفہ پر کسی محدود سے محدود رقبہ میں چند لمحوں کے لیے بھی کوئی تمدنی زندگی ظہور میں نہیں آسکتی۔ چنانچہ یہی ہوا۔ تھیاکریسی کے زیر اثر جتنے ممالک تھے اُن سب میں بہ یک وقت معصیت و آزادی اور زہد و رہبانیت کی دو متقابل تحریکیں دوش بدوش چلنے لگیں۔ صحراؤں اور ویرانوں میں تو زہد و تقویٰ گوشہ نشین تھے اور شہروں میں فسق و فجور کی گرم بازاری تھی۔

یہ تو تھیاکریسی کے نقشہ کے مطابق کسی قوم کی معاشرتی زندگی ہے۔

سیاسی زندگی اس سے کہیں زیادہ خوفناک اور گھناؤنی تھی۔ برسرِ اقتدار طبقوں نے جب یہ دیکھا کہ ملک کے عوام تو راہبانہ شغل و فکر اور زاہدانہ تعبد و استہلاک میں اس بُری طرح مشغول ہیں کہ انہیں نہ تو اپنے حقوق و فرائض کا ہوش ہے اور نہ ہی اپنے ابنائے جنس کا تو انہوں نے اس موقع کو غنیمت جان کر اپنے لیے عیش و آرام کے زیادہ سے زیادہ وسائل جمع کرنے شروع کیے۔ قیصر کا وہ حصّہ جو انہیں بغیر کسی کوشش اور جد و جہد کے خود بخود میسّر آ چکا تھا ان کو مطمئن نہ کر سکا اور قوت و طاقت کے اس اندھے جوش میں انہوں نے ایک "ان دیکھے" خدا کا حصّہ بھی لینے کا عزم کیا اور بالآخر کامیاب ہوئے۔ راستے کی ساری رکاوٹوں کو ختم کر چکنے کے بعد انہوں نے من مانی کارروائیاں شروع کیں۔ زندگی کے ہر میدان میں ناانصافی، رشوت خواری اور غبن بازی کا بازار گرم تھا مگر کسی "متقی" کے کان پر جوں تک نہ رینگتی۔ ظالم حاکموں کے ستائے ہوئے لوگوں کی فریاد آسمانوں تک پہنچ رہی تھی مگر کوئی زاہد ان سے متاثر نہ ہوتا۔ عوام ہلاکت اور بربادی کے چنگل میں نہایت بُری طرح گرفتار تھے مگر کوئی "پارسا" ٹس سے مس نہ ہوتا۔ ان کی ساری دلچسپیاں "گلیم خویش" کو بچانے تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ دنیا اور اس سے متعلق امور سارے کے سارے نہایت ہی بددیانت اور ذلیل قسم کے لوگوں کے ہاتھوں میں تھے۔ وہ جس طرح چاہتے ان سے معاملات کو طے کرتے اور کوئی

Marfat.com

ان پر گرفت کرنے والا نہ ہوتا۔

ان لوگوں میں شاید سب سے زیادہ مضحکہ خیز پوزیشن ان فرمانرواؤں کی تھی جنہیں بعض وجوہ سے روحانیت اور مادیت کے درمیان پیوند لگانا پڑا۔ یہ لوگ اپنی عبادت گاہوں میں تو پورے روحانی تھے لیکن بساطِ سیاست پر خالص مادی اور حسّی تھے۔ اشوک جو ایک عقیدت مند اور پُرجوش بدھ تھا اور ساتھ ہی ساتھ ایک زبردست فرمانروا اور کامیاب فاتح تھا اس طرزِ عمل کا ایک نمونہ ہے۔ قسطنطین نے جب مسیحیت قبول کی تو اُس نے بھی یہی دو عملی اختیار کی اور مسیحیت کی روحانیت کے ساتھ بُت پرست رُوم کی مادّیت اور جاہلیت کو جمع کیا۔ مگر یہ دو عملی زیادہ دیر تک کامیابی کے ساتھ چل نہ سکی۔ ان حکمرانوں کو روحانیت کو ترک کرکے مادیت کے مسلک کو اختیار کرنا پڑا۔

پچھلی گذارشات پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ تھیاکریسی کے فلسفۂ زندگی نے حیاتِ انسانی میں جو نتائج پیدا کیے وہ یہ ہیں :-

• انسان کو پیدائشی مجرم گردانتے ہوئے اُسے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ جابرانہ سے جابرانہ سیاسی نظام کا بھی خیر مقدم کرے کیونکہ اُس کی

نجات. اسی ظلم کو برداشت کرنے میں ہے۔

• زندگی اور اس کے مسائل سے فرار کو تقویٰ اور پرہیزگاری تصور کیا جانے لگا۔

• انسانی زندگی میں دو مختلف بلکہ متضاد تحریکیں چلنے لگیں جنہوں نے زندگی کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔

"تاریخِ اخلاق یورپ" کا مصنف لیکی جس خوبی کے ساتھ اس صورتِ حالات کا نقشہ کھینچتا ہے وہ اس قابل ہے کہ اسے پیش کیا جائے، وہ کہتا ہے:۔

"اخلاقی قوت یوں خواہ اس وقت کے مشرکوں کے زمانہ سے زائد ہو مگر جو کچھ تھی سب صحرا کی طرف منتقل ہو گئی تھی اور اس لیے دنیا میں اُس کا کوئی خاص اثر باقی نہیں رہا تھا۔۔۔ جرأت و دلیری اور وطن پرستی کا نام و نشان بھی نہیں رہ گیا تھا اور خلقت میں رکاکت و پستی حد درجہ سرایت کر گئی تھی۔ دربار کی عیش پرستیاں، ارکانِ دربار کی غلام طینتی اور ملبوسات و زیورات کی تزئین و آرائش اپنے شباب پر تھیں۔ دنیا اس وقت انتہائی رہبانیت اور انتہائی بدکاری کے تھپیڑوں کے درمیان جھونکے کھا رہی تھی بلکہ بعض شہر جن میں سب سے زیادہ کثیر التعداد زہاد و راہبین

پیدا ہوئے تھے، وہ وہی تھے جن میں عیش پرستی و بدچلنی کی سب سے زیادہ گرم بازاری تھی۔ الغرض بدکاری اور توہم پرستی کا ایسا اجتماع ہوگیا تھا جو انسان کی شرافت و عظمت کا قطعی دشمن ہے۔ رائے جمہور اس قدر ضعیف ہوگئی تھی کہ لوگوں کو بدنامی و رسوائی کا مطلق خوف نہیں رہا تھا۔ البتہ ضمیر کا مذہب کو دھڑکا ہو سکتا تھا لیکن اُسے بھی اس اعتقاد نے مٹا دیا تھا کہ دعاؤں وغیرہ سے سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ مکاری، دغابازی، دروغ گوئی کی وہ گرم بازاری تھی جو قیاصرہ کے زمانہ میں بھی نہ تھی۔[1]

آیئے اب ہم یہ دیکھیں کہ اسلام تھیاکریسی کے برعکس، اس کائنات اور انسان کے ساتھ اس کے تعلق اور رابطہ کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے۔

اسلام جیسا کہ میں نے پہلے گذارش کی ہے انسان کے پیدائشی مجرم ہونے کے تصور کو سراسر باطل سمجھتا ہے اور فطرتِ انسانی کو فطرۃ الٰہی کے مطابق ٹھہراتا ہے[2]۔ (فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا) تھیاکریسی انسان کو جس قدر ذلیل

---

[1] تاریخ اخلاق یورپ ترجمہ از مولانا عبدالماجد دریابادی۔ صـ ۱۴۳

[2] اسی خیال کی تائید میں پروفیسر لیکی لکھتا ہے:۔

"علماء مسیحیت کے ذہن میں انسان کے پُرمعاصی ہونے کا تخیل

(باقی صـ ۸۱ پر)

اور رذیل خیال کرتی ہے، اسلام کے نقطۂ نظر کے مطابق وہ اتنا ہی سر بلند ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۰) بہت مبالغہ کے ساتھ سما گیا اور وہ معصیت کو انسان کی اصل سرشت سمجھنے لگے۔ انہوں نے اپنے نزدیک یہ سمجھ لیا کہ ہر انسان فطرتاً بدی کی طرف مائل ہے اور نیکی کی تحریک اُس کے دل میں خاص اہتمام و کوشش کے بعد پیدا ہونا ممکن ہے۔ حالانکہ یہ تخیل واقعات کے صریحاً خلاف ہے۔ ہم اپنے گرد و پیش کیا کیفیت پاتے ہیں؟ عموماً ہر شخص ہمدردی و انسانیت کو پسند، اور بے رحمی و شقاوت کو ناپسند کرتا ہے۔ خود غرضی، شہرت پرستی، رشک و حسد کو کوئی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ دوسرے کے ساتھ بھلائی، اخوت و خدا ترسی کو سب پسند کرتے ہیں، منت پذیری و احسان شناسی کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں اور احسان فراموشی کی خال خال۔ یہ وہ حالت ہے جو ہم اپنے مشاہدہ میں برابر ہر وقت پاتے رہتے ہیں۔ یہ انسان کی عام و طبعی حالت ہے، اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ شاذ و غیر طبعی ہے۔ گویا یہ سمجھنا چاہیے کہ ہر سرشتِ انسانی کا سیدھا اور عام راستہ نیکی کا ہے اور اس میں افراط و تفریط کا نام معصیت ہے۔

لیکن یہ ضرور ہے کہ نفسِ بشری کی معصیت سرشتی کا یہ مبالغہ آمیز تخیل ابتدا کی دو تین صدیوں تک نہیں پیدا ہوا تھا۔ یہ زیادہ تر

(باقی صفحہ ۸۲ پر)

Marfat.com

چنانچہ قرآنِ حکیم میں انسان کی عظمت اور سربلندی کے متعلق بے شمار آیات ملتی ہیں۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ
حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ
رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ
فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا
تَفْضِيْلًا ۔ (۱۷:۷)

ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو خشکی اور تری میں سواریاں دیں اور ان کو پاک چیزوں سے رزق عطا کیا اور بہت سی ان چیزوں پر جو ہم نے پیدا کی ہیں ان کو ایک طرح کی فضیلت عطا کی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ
مَّا فِي الْاَرْضِ (۲۲:۸-۵)

اے انسان کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے ان سب چیزوں کو جو زمین میں ہیں تمہارے لیے مطیع بنا دیا ہے۔

"اور جانوروں کو پیدا کیا جن میں تمہارے لیے سردی سے حفاظت کا سامان ہے اور منفعتیں ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۱) تیسری صدی عیسوی سے پھیلا۔ ورنہ شروع شروع میں تو ائمہ مسیحیت بھی گناہ کو انسان کی ایک غیر طبعی حالت سمجھتے تھے اور اسی بنا پر اس کو روکنے کی طرح طرح کی "تدابیر اختیار کرتے تھے"

(تاریخ اخلاقِ یورپ ترجمہ از مولانا عبدالماجد دریابادی)

ان میں تمہارے لیے شانِ جمال ہے، جب کہ تم صبح ان کو لے جاتے ہو
اور شام کو واپس لاتے ہو۔ وہ تمہارے بوجھ ڈھو کر اس مقام تک
لے جاتے ہیں جہاں تک تم بغیر جانکاہی کے نہیں جا سکتے۔ تمہارا
رب بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ گھوڑے اور خچّر اور گدھے
تمہاری سواری کے لیے ہیں اور سامانِ زیست ہیں۔ خدا اور بہت سی
چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تم کو علم بھی نہیں ہے ۔ ۔ ۔ ۔ وہی ہے جس
نے آسمان سے پانی اتارا۔ اس میں سے کچھ تمہارے پینے کے لیے
اور کچھ درختوں کی پرورش کے کام آتا ہے جن سے تم اپنے جانوروں
کا چارہ حاصل کرتے ہو۔ اس پانی سے خدا تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور
کھجور اور انگور اور طرح طرح کے پھل اُگاتا ہے، ان چیزوں میں
نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ اُسی
نے تمہارے لیے رات اور دن اور سُورج اور چاند اور تارے مسخر
کیے ہیں۔ یہ سب اسی خدا کے حکم سے مسخر ہیں۔ ان میں نشانیاں ہیں
ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں اور بہت سی وہ
مختلف الالوان چیزیں جو اس نے زمین میں تمہارے لیے پیدا کی ہیں
ان میں سبق حاصل کرنے والوں کے لیے بڑی نشانی ہے اور وہ خدا
ہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کیا کہ اس سے تم تازہ گوشت

Marfat.com

نکال کر کھاؤ، اور زینت کے سامان (موتی وغیرہ) نکالو جن کو تم پہنتے ہو اور تو دیکھتا ہے کہ کشتیاں پانی کو پھاڑتی ہوئی سمندر میں چلی جاتی ہیں۔ چنانچہ سمندر کو اس لیے بھی مسخر کیا ہے کہ تم لوگ اللہ کا فضل تلاش کرو (یعنی تجارت کرو) شاید کہ تم شکر بجا لاؤ۔ اس نے زمین میں پہاڑ جما دیے کہ زمین تم کو لے کر لڑھک نہ جائے اور دریا اور راستے بنا دیئے کہ تم منزلِ مقصود کی راہ پاؤ۔ بہت سی علامات بنائیں منجملہ ان کے تارے بھی ہیں جن سے لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں ..... اور اگر تم خدا کی نعمتوں کا شمار کرو تو ان کو بے حساب پاؤ گے۔" (۱۶: ۱-۲)

ان آیات میں انسان کو یہ بتایا گیا ہے کہ وہ دنیا کی ساری چیزوں سے ارفع اور اعلیٰ ہے اور یہ سب اُسی کے فائدہ اور آرام کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ وہ ان سب پر فوقیت رکھتا ہے اور اسے ان کا مخدوم بنایا گیا ہے۔

پھر اس انسان کو نہ صرف جانوروں اور دوسری حقیر چیزوں پر فضیلت حاصل ہے بلکہ بارگاہِ خداوندی کی سب سے مقرب مخلوق یعنی فرشتوں کو بھی اس کے سامنے جھک جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ قرآنِ حکیم نے انسان کی اس عظمت کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے :-

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ — اور جب کہ تیرے رب نے فرشتوں سے کہا

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ط
قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ
يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ
الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ
بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط
قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ۔
وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا
ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ
فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ
هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ
قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا
مَا عَلَّمْتَنَا ط إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ
الْحَكِيمُ۔ قَالَ يَا آدَمُ
أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ
فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ
قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ
غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

کہ میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ (نائب)
بنانے والا ہوں تو انہوں نے عرض کیا کہ
کیا زمین میں اُس کو نائب بناتا ہے جو
وہاں فساد پھیلائے گا اور خونریزیاں کریگا۔
حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح،
اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا
میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور
اس نے آدم کو سب چیزوں کے اسماء
سکھا دیئے۔ پھر ان کو فرشتوں کے سامنے
پیش کیا اور کہا تم اگر سچے ہو تو ان چیزوں
کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا پاک ذات
ہے تیری، ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے
جو تو نے ہم کو سکھا دیا ہے تو ہی علم رکھنے
والا ہے اور تو ہی حکمت کا مالک ہے۔
خدا نے کہا اے آدم ان فرشتوں کو ان کے
نام بتاؤ۔ پس جب آدم نے اُن کو ان اشیاء
کے نام بتائے تو خدا نے کہا "کیا میں نے

Marfat.com

وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ - وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

(بقرہ: ۲۹-۳۳)

تم سے نہ کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کی سب مخفی باتیں جانتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو اس سب کا علم رکھتا ہوں؟ اور جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو اور ان سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے کہ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور نافرمانوں سے ہو گیا۔

اسی طرح سورۃ الحجر کے تیسرے رکوع میں فرمایا:۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ - فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ - قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ

اور جب کہ تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک کالے سڑے ہوئے سوکھے گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں پھر جب میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک دوں تو تم اس کے لیے سر بسجود گر جانا، چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے کہ اس نے سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ خدا نے کہا ابلیس تجھے کیا ہو گیا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل

Marfat.com

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۔

نہیں ہوتا ابلیس نے کہا کہ میں ایسا نہیں ہوں کہ اس بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے کالے سڑے ہوئے سوکھے گارے سے بنایا ہے۔ خدا نے کہا تو جنت سے نکل جا کہ تو راندۂ درگاہ ہے اور یوم جزا تک تجھ پر پھٹکار ہے۔

اس مضمون کو قرآن پاک میں مختلف طریقوں سے دہرایا گیا ہے اور ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے نزدیک انسان کی عظمت، بشرطیکہ وہ صحیح معنوں میں خدا کا فرمانبردار ہو، فرشتوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ خداوند تعالیٰ نے مٹی کے اس پتلے کو نوری مخلوق سے زیادہ علم عطا کیا، اس کے علم کو فرشتوں کی تسبیح و تقدیس پر ترجیح دی۔ انہیں حکم دیا کہ میرے اس نائب کو سجدہ کرو۔ چنانچہ فرمانِ خداوندی کے تحت سب کے سب بجز ابلیس کے اس کے سامنے سجدہ ریز ہوئے۔ یہ اس حقیقت کی شہادت ہے کہ ملکوتیت بھی انسان کے سامنے عاجز ہے۔ انسان اپنی خلقت کے لحاظ سے تو بلاشبہ مٹی کا ایک حقیر پتلا ہے مگر خدا نے اس میں جو رُوح پھونکی تھی اور اس کو جو علم بخشا تھا اُس نے اُسے سربلند کیا۔ اور اسی بنا پر فرشتوں نے اس کی فضیلت کو تسلیم کر لیا اور اس کے آگے جھک گئے۔

Marfat.com

مگر یہاں اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا چاہیے کہ خداوند تعالیٰ نے انسان کو خلیفہ کہہ کر اُس کے دل و دماغ سے اپنی خود مختاری اور اللہ کی اس سلطنت میں حکومتِ خود اختیاری کا جذبہ اور خیال، جو شر و فساد، نزاع اور تصادم کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے، نکال دیا ہے۔ اُسے یہ سمجھایا گیا کہ اگرچہ زمین و آسمان کی ساری چیزیں اُسی کے لیے پیدا کی گئی ہیں مگر ان کے استعمال میں وہ بالکل آزاد نہیں۔ اُسے اُن سے استفادہ کرنے میں خداوند تعالیٰ کی رہنمائی اور خوشنودی کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ اور اگر وہ اس طرح عمل نہیں کرتا تو وہ نائبِ خدا نہیں بلکہ باغی اور سرکش ہے اور اس لحاظ سے خدا کی امانت میں خیانت کرنے والا ہے۔ اُس کی وفاداری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خداوند تعالیٰ کی عطا کردہ املاک، اس کی رعیت، اس کے نوکروں، اس کے خادموں اور اس کے غلاموں پر حکومت کرنے، ان سے خدمت لینے، ان پر تصرف کرنے اور ان کی نگرانی کرنے میں اس کے بنائے ہوئے قوانین پر کاربند ہو۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو وہ سخت مجرم ہے، پسندیدہ نہیں مردود ہے، مستحقِ انعام نہیں مستوجبِ سزا ہے۔

پھر قرآنِ حکیم نے نہایت ہی بلیغانہ انداز میں اُس کی نیابت کی اصل غرض کی بھی وضاحت یوں فرما دی ہے :۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ — وہ اللہ ہی ہے جس نے تم کو زمین میں

الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ
دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ
اٰتٰكُمْ۔ (۶ : ۲۰)

نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض سے
اونچے درجے دیئے تاکہ جو کچھ اس نے
تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔

قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ
يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ
فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۔
(۷ : ۱۵)

موسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا قریب ہے
کہ خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کرے اور
تمہیں زمین کی خلافت دے تاکہ دیکھے کہ
تم کیسے عمل کرتے ہو۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ
خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ
بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ
الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ
شَدِيْدٌ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ۔
(۳۸ : ۲۶)

اے داؤد۔ ہم نے تجھ کو زمین میں اپنا
نائب بنایا ہے۔ پس تو لوگوں کے درمیان
حق کے ساتھ حکومت کر اور اپنی خواہش
نفس کی پیروی نہ کر کہ یہ تجھے اللہ کے
راستے سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ
کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں ان کے
لیے اس بنا پر سخت عذاب ہے کہ وہ
حساب کے دن کو بھول جاتے ہیں۔

یہ آیات اس حقیقت کی آئینہ دار ہیں کہ اس کائنات میں انسان کو
خلافت کا جو منصب عطا ہوا ہے وہ دراصل خداوند تعالیٰ کی طرف سے

Marfat.com

ایک آزمائش ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ انسان اس منصب کی نازک ذمہ داریوں سے کس طرح عہدہ برآ ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں جا بجا اس کی نسبت بوضاحت ذکر ملتا ہے:۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ	ہم نے انسان کو بہترین اندازہ پر بنایا۔
فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ	پھر اُسے سب سے نچلے درجے میں پھینک
اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ	دیا سوائے اُن کے جو ایمان لائے اور
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ	جنہوں نے نیک کام کیے سو اُن کے
اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ۔ (التین)	لیے بے انتہا اجر ہے۔

انسان حقیقت میں نیک نہاد ہے اور اس کی شرافت و فضیلت مسلّم ہے۔ لیکن بُرے اعمال کی وجہ سے اس کا ازلی کمال زائل ہو جاتا ہے۔ انسان اپنی خلقت کے اعتبار سے نہایت بلند ہے — اس قدر بلند کہ جس امانت کا بوجھ آسمان اور زمین نے اُٹھانے سے انکار کیا اُسے انسان نے جوش و وجدان میں قبول[1] کر لیا اور اس طرح نادانستہ طور پر کائناتِ ہستی میں اپنی فضیلت ثابت کر دی*

---

[1] آیۂ کریمہ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ۔

* اسلامی الٰہیات کی جدید تشکیل ص ۹۰

امام غزالیؒ اور علامہ بیضاویؒ (خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت عطا کرے)
نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ :-

"امانت سے مراد ذمہ داری اعمال کا قبول کرنا ہے، یا یوں
کہیئے کہ ثواب یا عذاب کے لیے آمادگی کا اظہار کرنا جو بالترتیب
اس کی اطاعت اور عصیان کا نتیجہ ہے پیش کرنے کے معنی یہ ہیں
کہ اس ذمہ داری اور ان کی استعداد کا باہم موازنہ کیا۔ انکار سے
مراد طبعی انکار ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان اشیاء نے اپنے اندر یہ
استعداد نہ پائی کہ اس ذمہ داری کو قبول کریں۔ انسان کے اس امانت
کو اُٹھانے کے یہ معنی ہیں کہ اس میں یہ استعداد موجود ہے اور اس
لیے وہ اس قابل ہے کہ اس کو اپنے اعمال کا ذمہ دار گردانا جائے"

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ (اللہ اُن پر اپنی خاص رحمت فرمائے)
اسی نکتہ کی وضاحت میں ارشاد فرماتے ہیں :-

"میں کہتا ہوں کہ اگر یہ معنی اور یہ تفسیر صحیح ہے (جو یقیناً صحیح
ہے) تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ انسان بڑا ظالم اور جاہل ہے انسان
کی استعداد پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ ظالم اُسی کو کہتے ہیں جو عدل
پر قائم رہنے کی استعداد رکھنے کے باوجود اس سے انحراف کرتا ہے
(کانٹوں میں اگر آدمی اُلجھ جائے تو کبھی یہ نہیں کہا جائے گا کہ کانٹوں

Marfat.com

نے ظلم کیا۔ ان میں عدل اور ظلم کی استعداد ہی نہیں۔ جو اثر ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ محض طبعی طور پر ان سے ظہور میں آتا ہے۔ اسی طرح جاہل اس کو کہتے ہیں جو علم حاصل کرنے کی استعداد رکھتا ہو اور اس کے باوجود اس دولت سے محروم رہے (چنانچہ دیوار کو جاہل نہیں کہیں گے) اب ظاہر ہے کہ انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جس میں علم حاصل کرنے اور عدل کرنے کی استعداد رکھی گئی ہے[1]۔"

یہی وہ اصل وجہ ہے جس کی بدولت اُسے فضیلت و عظمت عطا ہوئی۔ اور اسی سے اس میں اتنا اعتماد پیدا ہوا کہ نہ صرف حقائق اشیاء کا علم حاصل کرے بلکہ اپنی ضروریات کے مطابق فطرت میں تصرف بھی کرے[2]۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ

[2] علامہ اقبال مرحوم نے اپنی کتاب بالِ جبریل میں وہ منظر بیان کیا ہے جبکہ فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کر رہے تھے۔ فرشتوں کی زبان پر انسانی فضیلت کا یہ گیت تھا:۔

عطا ہوئی ہے تجھے روز و شب کی بیتابی — خبر نہیں کہ تو خاکی ہے یا کہ سیمابی
سُنا ہے خاک سے تیری نمود ہے لیکن — تری سرشت میں ہے کوکبی و مہتابی
جمال اپنا اگر خواب میں بھی تو دیکھے — ہزار ہوش سے خوشتر تری شکر خوابی
گراں بہا ہے ترا گریۂ سحر گاہی — اسی سے ہے ترے نخلِ کہن کی شادابی
تری نوا سے ہے بے پردہ زندگی کا ضمیر — کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے مضرابی

Marfat.com

یہ مقصد کائنات میں خداوند تعالیٰ کی نعمتوں سے منہ موڑ کر پورا نہیں ہو سکتا۔
اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان ان سے پوری طرح فائدہ اٹھائے مگر ان میں
گم ہو کر نہ رہ جائے۔ تھیاکریسی میں تقویٰ کا معیار یہ ہے کہ انسان اس دنیا اور
اس کے جملہ مسائل سے بے رغبتی اور بے تعلقی اختیار کر کے خداوند تعالیٰ کی رضا
تلاش کرے۔ اس کے برعکس اسلام یہ کہتا ہے کہ نیکی دنیا کو ترک کر دینے میں
نہیں بلکہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں رہتے ہوئے خدا کی نعمتوں سے بھرپور
استفادہ کرنے میں اس کی خوشنودی کو ملحوظ خاطر رکھے۔

چنانچہ قرآن حکیم میں بڑی صراحت سے کہا گیا ہے:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي	اے لوگو! جو کچھ زمین میں حلال اور پاک
الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا	ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کی پیروی
خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ	نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے وہ تو
مُبِينٌ ۔ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ	تمہیں بدی اور بے حیائی اور خدا کے بارے
وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ	میں ایسی باتیں کرنے کا حکم دیتا ہے جو تم
مَا لَا تَعْلَمُونَ ۔ (۲۱:۲)	نہیں جانتے۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا	اے ایمان لانے والو! جو پاک چیزیں اللہ
طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا	نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو اپنے
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ وَكُلُوا	اوپر حرام نہ کرو۔ اور حد سے نہ گزرو کہ اللہ

Marfat.com

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (۵ : ۱۲)

حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور ان پاک اور حلال چیزوں میں سے کھاؤ جو اللہ نے تمہیں عطا کی ہیں اور اس خدا کے غضب سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۔ (۷ : ۳۲)

کہو کہ کس نے اللہ کی اس زینت اور پاکیزہ روزی کو حرام کیا ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالی ہے۔

رَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ ۔

اور رہبانیت کا طریقہ جو مسیح کے پیروؤں نے خود نکال لیا تھا۔ وہ ان پر ہم نے لازم نہیں کیا تھا، ہم نے صرف رضائے الٰہی کے حصول کا حکم دیا تھا۔

لا رهبانية في الاسلام (حدیث) اسلام میں رہبانیت نہیں

لا صرورة في الاسلام (حدیث) اسلام میں تجرد نہیں۔

خداوند تعالیٰ کا یہ فرمان اور نبی آخر الزمان کی تصریحات اس حقیقت کی شاہد ہیں کہ اسلام کی نظر میں رفعت اخلاق یہ نہیں کہ انسان اس دنیا کو چھوڑ دے، اس کی لذتوں اور زینتوں کو اپنے اوپر حرام کر لے۔ اس کے برعکس اسے یہ بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ یہ دنیا انسان ہی کے لیے بنائی گئی ہے، اور اس کا فرض

Marfat.com

یہ ہے کہ اس کو برتنے اور خوب برتنے۔ مگر برے اور بھلے، حق و ناحق کو جان کر برتے۔ خدا نے اسے شعور اور آگہی کی جو قوتیں عطا کی ہیں، ان سے کام لے اور اپنے عمل سے ثابت کر دے کہ وہ ترغیبات کے ہجوم میں رہتے ہوئے بھی خدا کی یاد سے غافل نہیں ہوا۔ یہ دنیا دار العمل ہے، اور اس میں جو شخص اپنے باعمل ہونے کا ثبوت پیش نہیں کرتا وہ اپنے مقصد تخلیق کو بالکل ضائع کر دیتا ہے۔

اسلام میں بندگی صرف کسی غار میں بیٹھ کر ذکر و اذکار میں انہماک کا نام نہیں بلکہ یہاں زندگی کی کشاکش، بازاروں کے شور و شغب اور کاروبار کی مصروفیت میں رہ کر خدا کو نہ بھولنا اصل عبادت ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّ	وہ جوانمرد جن کو تجارت اور خرید و فروخت
لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ	اللہ کی یاد اور نماز کے قیام اور زکوٰۃ کی
الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۤءِ الزَّكٰوةِ	ادائی سے غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے
يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ	ڈرتے ہیں، جس میں دل اور نگاہیں پلٹ
الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۔ (۲۴: ۵)	جائیں گی۔

یہاں صرف خدا کی یاد اور اس کی عبادت پر اکتفا نہیں بلکہ نماز کے بعد کسب معاش، حصول رزق اور محنت و تجارت کی بھی ترغیب ہے۔ اور انہیں بھی فرائض میں شامل کیا گیا ہے۔

Marfat.com

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ - ۶۲:۲

جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ۔ اور اللہ کے فضل کی تلاش کرو۔

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس ریاضت کو بھی پسند نہیں کیا جس میں انہماک انسان کو اُس کے دنیاوی حقوق فراموش کرا دے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جو مسلسل روزہ رکھتے تھے اور رات رات بھر نمازیں پڑھتے تھے یہ نصیحت فرمائی:۔

فَاِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا صُمْ وَاَفْطِرْ۔

تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے۔ تمہاری بیوی کا بھی حق ہے۔ کسی دن روزہ رکھو کسی دن نہ رکھو۔

اسلام کائنات اور زندگی کے متعلق جو نقطۂ نظر رکھتا ہے اس کا اثر زندگی کے ہر پہلو پر نمایاں ہے۔ تھیاکریسی نے انسانی زندگی کو دو مختلف شعبوں میں تقسیم کر دیا ہے، ایک خدا کا اور دوسرا قیصر کا، اور ان دونوں کا آپس میں کوئی میل نہیں۔ نیکی، راست بازی، اور صالحیت صرف خدا کے لیے ہیں۔ باقی

Marfat.com

رہے امورِ دنیا تو ان میں انسان کو پوری آزادی ہے۔ وہ جس طرح چاہے عمل کرے۔ اسی وجہ سے تھیاکریسی نے عبادت کا یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ یا تو انسانوں کا ایک مخصوص گروہ صرف پوجا پاٹ کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دے، یا جماعت کا ہر فرد اپنے اوقات میں سے تھوڑا سا وقت خدا کے ذکر کے لیے نکالے اور پھر سمجھ لے کہ اُس نے خدا کا حق ادا کر دیا ہے۔ اسلام اس تصورِ عبادت، اور دین اور دنیا کی اس تفریق کو سراسر باطل سمجھتا ہے۔ اُس کا انسان سے مطالبہ یہ ہے کہ اُس کی ساری زندگی، اس کے سارے اوقات ایک خدا کی چاکری میں گزریں۔ وہ اپنے آپ کو دائمی اور ہمہ وقت ملازم سمجھے اور اس کی اس حیاتِ مستعار کا ہر لمحہ خدا کی عبادت میں صرف ہو۔ اُس کا سونا، جاگنا، اُس کا کھانا پینا، اس کا چلنا پھرنا، غرض اُس کے سارے افکار و اعمال سب کے سب خدا کے قانونِ شرعی کے پابند ہوں۔ اُسے اپنی نجات کے لیے کسی خلوت کدے میں گوشہ نشینی، یا کسی سنسان جنگل میں چلہ کشی کی ضرورت نہیں۔ اُس کی فلاح کا مدار اس بات پر ہے کہ وہ حیاتِ اجتماعی سے بھاگ کر

لہ یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ کر دینا نہایت ہی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ حیاتِ اجتماعی کی اہمیت جو کچھ اسلام میں ہے اُس سے ذہن اُس فلسفہ کی طرف منتقل نہ ہو جانا چاہیے جس کی رُو سے فرد کی انفرادی حیثیت کو نظر انداز کر کے اُس کی ذات کو محض

(باقی صفحہ ۹۸ پر)

Marfat.com

نہیں بلکہ اس کے منجدھار میں رہ کر اپنے خالق سے اپنی محبت اور وفاداری کا ثبوت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۷) جماعت کی خاطر اہمیت دی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر اشتمالیت اور ڈکٹیٹر شپ۔ اسلام کا نقطۂ نظر اس سے اتنا ہی دور ہے جتنا کہ رہبانیت سے۔ یہاں نوع انسانی کا ایک ایک فرد اپنی انفرادی حیثیت میں خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر اس کی اہمیت بتلائی گئی ہے۔ مثلاً:۔

عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ۔ (۵ : ۱۴)
تم پر تمہارے اپنے نفس کی ذمہ داری ہے، اگر تم ہدایت پاؤ تو دوسرا گمراہ ہونے والا تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (۶ : ۳)
ہر نفس جو کچھ کماتا ہے اس کا بوجھ اسی پر ہے۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا۔ (۱۷ : ۱)
اگر تم نیک کام کروگے تو اپنے نفس کے لیے کروگے اور اگر برے کام کروگے تو اسی کے لیے۔

ان تصریحات کے باوجود حیات اجتماعی پر زور دیا گیا ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ خداوند تعالیٰ کے سامنے انسان کی جواب دہی بڑی حد تک اجتماعی حقوق، فرائض اور ذمہ داریوں سے متعلق ہے اور انسان کے لیے اپنی انفرادی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اجتماعی ذمہ داریوں سے اچھی طرح عہدہ برا ہو۔

Marfat.com

پیش کرے۔ اس کی نجات کا راز فرار میں نہیں بلکہ اس میں ہے کہ وہ ہر قسم کے دنیاوی تعلقات میں بندھ کر، ان ذمہ داریوں اور امانتوں کے بوجھ سے لدکر خوف اور لالچ، بیم اور رجا کے ماحول میں رہ کر، اپنے پیدا کرنے والے کے منشا کو پورا کرے۔ اسلام نے روحانی ترقی اور خدا کی یافت کا جو راستہ بتایا ہے وہ یہ ہے کہ خدا اس کو انسانوں کے درمیان، دنیوی زندگی کے ہنگامہ کارزار میں ملے گا۔ اور جو شخص اپنے خالق کو انسانی بستیوں میں نہیں، بلکہ جنگلوں اور ویرانوں میں تلاش کرتا ہے وہ اپنی کوششوں کو خود اپنے ہاتھ سے دریا برد کر دیتا ہے۔ یہاں قیصر کا کوئی حصہ نہیں، بلکہ سارے کا سارا حصہ صرف خدا کا ہے اور اس میں اگر وہ کسی کو شریک کرتا ہے تو وہ شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔ اسلام کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ اس نے دین اور دنیا کی تفریق کو مٹا دیا ہے۔ مسلمان جب بھی دعا مانگتا ہے تو یہی کہتا ہے:۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا	اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی
حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ	بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی، اور ہم
قِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ ۲ : ۲۵	کو جہنم کی آگ سے بچا۔

سرور دو عالم نے اس حقیقت کو ایک دوسرے انداز میں اس طرح پیش فرمایا ہے:

جُعِلَتْ لِی الْاَرْضُ مَسْجِدًا	میرے لیے تمام زمین مسجد بنائی گئی ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مختصر سے جملہ میں حیاتِ انسانی کے اس راز کو آشکارا کیا ہے کہ یہ زندگی ایک وحدت ہے جسے کسی طور پر بھی مختلف خانوں میں نہیں بانٹا جا سکتا۔ اس لحاظ سے دین اور دنیا کی تقسیم بالکل غلط ہے، اسلام کے نزدیک تمام دنیاوی اعمال خالص دینی نوعیت رکھتے ہیں۔ انسانی عمل کی کوئی شق، اخلاقی اور دینی عنصر سے خالی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے دنیاوی مسائل کو حل کرنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ انہیں احکامِ الٰہی کے مطابق حل کیا جائے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ دنیاوی اعمال ادنیٰ مقاصد کے حامل ہوتے ہیں اور اس وجہ سے نیک اور پاکباز انسانوں کو ان سے پرہیز کرنا چاہیے، اسلام کے نزدیک سراسر جہالت ہے۔ یہاں ایک ہی نقطۂ نظر ہے جو مسجد سے لے کر بازار اور میدانِ کارزار تک، طریقِ عبادت سے لے کر طرزِ معاشرت تک، اجتماعیات، معاشیات، سیاسیات اور بین الاقوامی تعلقات کے پیچیدہ سے پیچیدہ اور اہم سے اہم مسائل تک سب پر حاوی ہے۔ تھیاکریسی کی تعلیم صرف انسان اور خدا[1] کے باہمی تعلق تک محدود ہے۔ یہاں انسان اور انسان کے باہمی رابطہ کو ایک دنیاوی معاملہ خیال کرتے ہوئے مذہب سے بے تعلق سمجھا گیا ہے۔ اسلام اس کے برعکس جس قدر خدا اور انسان کے تعلق سے بحث کرتا ہے، اسی قدر انسان اور انسان کے تعلق

---

[1] سینٹ تھریسیا دعا مانگا کرتی تھی کہ کاش ساری کائنات ناپید ہو جائے اور اکیلی میں موجود ہوں تاکہ آقا کی خدمت گذاری کا فخر تنہا مجھی کو حاصل ہو۔

Marfat.com

انسان اور کائنات کے تعلق سے بھی بحث کرتا ہے اور نوعِ انسانی کو بتاتا ہے کہ اُسے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر کس نقشہ کے مطابق کرنی چاہیے کیونکہ اس کے نزدیک ان دونوں کے باہمی ربط اور ہم آہنگی سے ہی انسانی زندگی درست ہو سکتی ہے اور اسی پر اُس کی فلاح کا مدار ہے۔ اس طرح ایک دوسرے سے ان کا تعلق تکمیل و تصحیح کا ہے۔ تباین و تضاد کا نہیں۔

زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح حکومت اور سیادت بھی اس کے مختلج ہیں کہ انہیں اسلام کے قوانین کے مطابق ڈھالا جائے اور اس زمین پر ظلم و عدوان کی بجائے عدل، فتنہ و فساد کی بجائے امن، سرکشی و خونریزی کی بجائے باہمی محبت و وفاکیشی کا غلبہ ہو۔ اس لیے خدا کے پاکباز اور صالح بندوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اقتدار کی باگیں اپنے ہاتھ میں لے کر ملک و دین کی دوئی کو ختم کر کے زندگی کی وحدت کو قائم و برقرار رکھیں۔ تمدن کا صحیح توازن اسی وقت تک قائم رہ سکتا ہے جبکہ امورِ مملکت کو بھی اسی نظامِ حیات کا پابند کیا جائے جس کی پابندی کہ ایک فرد اپنی انفرادی زندگی میں کرتا ہے۔ انسانی فطرت اجتماعی زندگی کی متقاضی ہے۔ انسانوں کے ذہنی اور اخلاقی قویٰ اس وقت تک نشوونما نہیں پا سکتے جب تک عدل و انصاف کو نافذ کرنے کے لیے کوئی ایسا ادارہ موجود نہ ہو جو مفادِ کلی کی نگہداشت

کر سکے۔ تھیاکریسی کے نزدیک حکومت کو انسانی سیرت و سرشت کے عیب نے جنم دیا ہے، اور اس وجہ سے اس کے ظالمانہ رویّہ کو بخوشی برداشت کرنا انتہائی سعادت ہے۔ اس کے برعکس اسلام حکومت کو انعام سمجھ کر "صالحین" کے لیے اس کا حصول لازم قرار دیتا ہے، کیونکہ اسی کی مدد سے دنیا سے فساد آسانی سے مٹایا جا سکتا ہے۔ یہاں استبداد کے سامنے سپر ڈال دینے کی بجائے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ظلم و عدوان مالک ارض و سموات کے منشا کے خلاف ہیں۔ اس لیے ایک مسلم کا یہ فرض ہے کہ انہیں جلد از جلد دنیا سے مٹانے کی سعی کرے۔ اسلام تو نام ہے اس یقین انگیز، ایمان پرور اور باطل شکن تحریک کا جس میں انسان ہر غیر الٰہی اور ظالمانہ نظام کو ختم کر کے رضائے الٰہی کے مطابق ایک پُرامن نظام کی نیو ڈالتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اُن سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو یقیناً زمین کا خلیفہ بنائے گا، جس طرح ان سے پہلے کے لوگوں کو بنایا جا چکا ہے۔ اور ضرور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے مضبوطی کے ساتھ قائم کرے گا اور بالیقین ان کی حالتِ خوف

Marfat.com

بی شَیْئًا ۔ کو امن سے بدل دیگا پس وہ میری عبادت
کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ (نور - ۷)

اسی استخلاف فی الارض[1] کے متعلق ایک اور جگہ ان الفاظ میں تذکرہ کیا گیا ہے۔

---

[1] یہ ایک بڑا ہی نازک مقام ہے جس سے ملت اسلامیہ میں بیشمار غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں۔ ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ مذہب کو دنیوی سربلندی کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ اس کے متعلق صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ اسلامی نظام کے غلبہ کی تمنا دنیوی اقتدار کی ہوس سے بالکل ایک مختلف چیز ہے اور ان دونوں کو خلط ملط کرکے ان پر ایک ہی حکم صادر کر دینا سخت غلطی ہے۔ ایک دوسرا گروہ ان الارض یرثھا عبادی الصالحون سے ایک شدید گمراہی کا شکار ہوا ہے۔ اس نے یہ سمجھ کر کہ زمین صالح لوگوں کی میراث ہے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ ہر وہ قوم یا گروہ جسے دنیا میں اقتدار حاصل ہے وہ صالح ہے۔ ایک معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والا مسلمان بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ جو لوگ اپنے شخصی یا خاندانی یا قومی اقتدار کے لیے جدوجہد کریں اور اس کے نتیجہ میں اگر انہیں اقتدار نصیب ہو جائے تو یہ وہ انعام نہیں جو دینداری کے نتیجہ میں حاصل ہوا کرتا ہے بلکہ یہ خالص دنیا پرستی کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا سراب قوت و عیش ہے جس سے کل کے نمرود، اور آج کے انگریز، امریکن اور روسی بہرہ ور ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ان کو بھی صالح سمجھتا ہے تو اس سے بڑی گمراہی کیا ہو سکتی ہے۔ اس طرز استدلال میں جو (باقی صفحہ ۱۰۴ پر)

Marfat.com

إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (۷ : ۱۵)

بیشک، زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں جس کو چاہے اس کا وارث کر دے۔ اور آخری کامیابی ڈرنے والوں کے لیے ہے۔

اسلام کے نزدیک حکومت اور مملکت اللہ کا ایک ایسا انعام ہے جس کے حاصل ہونے پر حضرت یوسف علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلے :۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۳) غلطی ہے اُسے سمجھنے کے لیے فرض کیجیے کہ ایک گاؤں میں ڈاکوؤں کے حملہ کا شدید خطرہ ہے۔ اور حملہ آور ہر قسم کے اسلحہ سے پوری طرح مسلّح ہیں۔ حکومت کے کارندوں نے اس گاؤں کے رہنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ اگر ان کے پہرہ داروں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ ایماندار ہیں اور اسلحہ وغیرہ کے ملنے پر وہ اسے صحیح اور جائز طور پر استعمال کریں گے تو انہیں اپنی اور گاؤں میں رہنے والوں کی حفاظت کے لیے جدید ترین اسلحہ مہیا کر دیا جائے گا تاکہ وہ ڈاکوؤں کے حملہ کی اچھی طرح روک تھام کر سکیں۔ اب اگر ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ اس اسلحہ کی خواہش کرنا خود غرضی ہے اور اسے حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کی کوشش حکومت کی نظر میں ناپسندیدہ ہے تو اس کی عقل پر بجز ماتم کرنے کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف وہ گروہ جو ہر بندوق رکھنے والے شخص کو دیکھتے ہی فوراً یہ کہہ اٹھتا ہے کہ یہ پہرہ دار ہے، اس کے فاتر العقل ہونے میں کسی ہوشمند آدمی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔

(۱۲ : ۱۱)

پروردگار تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی اور باتوں کا مطلب اور نتیجہ نکالنا سکھایا۔ اے آسمان و زمین کے بنانے والے! تو ہی میرا کارساز ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ایسا کیجیو کہ دنیا سے جاؤں تو تیری فرمانبرداری کی حالت میں جاؤں اور ان لوگوں میں داخل ہو جاؤں جو تیرے نیک بندے ہیں۔

یہ تصریحات اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اسلام کا نظریۂ مملکت تھیاکریسی سے بالکل مختلف ہے۔ ایک کے نزدیک یہ ڈاکوؤں کا راج ہے، ایک ایسی برائی جس سے ہر شخص کو نفرت کرنی چاہیے۔ دوسرے کے نزدیک یہ ایک ایسی قوت ہے جس کی مدد سے انسان کو انسانوں کے بندھن سے آزاد کیا جا سکتا ہے اور اس لحاظ سے اللہ کا بہت بڑا فضل اور احسان۔ علامہ ابن خلدون نے اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

"سیاست عقلیہ محض فلاح دنیا کے لیے ہے جس سے محض دنیا کی ظاہری باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اور بس۔ اور شارع کا مقصود ہے اصلاح آخرت، اس لیے ضروری ہے کہ بمقتضائے شریعت عامہ خلائق دینی اور دنیاوی امور میں شریعت کے احکام کی کاربند رہے۔ پس

رئے منجانب اللہ اشاعتِ شریعت پر مامور ہوتے ہیں اُنہیں انبیاءؑ و رسول کہتے ہیں اور جو اُن کے بعد اُن کے قائم مقام ہو کر اُن کے قانون کی حفاظت کرتے ہیں خلفاء کہلاتے ہیں۔ اب ہمیں مملکت اور عقلی سیاست و خلافتِ نبوی کی تعریف یوں کرنی چاہیے کہ طبیعتِ مملکت عامۂ خلائق کو سلطانی اغراض اور ہوا و ہوس کے پیدا کرنے پر مجبور کرتی ہے اور مملکتِ سیاسیہ حسبِ مقتضائے عقل دنیاوی منفعت کے حصول اور دنیاوی نقصان کے دفع کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور خلافت، احکامِ شرعیہ کے موافق ہی انسان کو اخروی و دنیاوی مصالح کے راستے پر چلاتی ہے۔ آخرت تو اس کا مقصود بالذات ہی ہے، رہے معاملاتِ دنیا تو وہ بھی شارع کے نزدیک تماماً مصالح اخرویہ کی طرف راجع ہیں۔ کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے"

اسلامی حکومت کے فرائض

قرآن حکیم نے صالح سیاسی نظام کے وجود کو ہی ضروری قرار نہیں دیا بلکہ نہایت صراحت کے ساتھ اُس کی ذمہ داریوں کو بھی گنوایا ہے۔ تھیاکریسی کو تو لازماً مستبد اور جابر ہونا چاہیے۔ کیونکہ اُس کے مظالم کو سہنے کے بعد ہی عوام کو گناہوں سے نجات حاصل ہو گی۔ اس کے برعکس اسلام نے حکومت پر فرض

Marfat.com

عائد کیا ہے کہ وہ ایک ایسا نظام قائم کرے جس سے برائیاں مٹیں اور نیکیاں پروان چڑھیں۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوتا ہے :۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔

جن کو اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم کریں گے اور بدی سے روکیں گے۔

(الحج ۔ ۶)

اس آیت میں اسلامی حکومت کے مقصد اور اس کے بنیادی فرائض کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں عوام پر ظلم کرنے کی بجائے، حکومت پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ نہ صرف خارجی خطرات اور اندرونی خلفشار کو دور کرنے پر اکتفا کرے بلکہ ایک مثبت پروگرام کے ساتھ اُن بھلائیوں کو فروغ دینے کے لیے کوشش کرے جنہیں خدا اور اُس کا رسولؐ بھلائی قرار دیتے ہیں اور اُن برائیوں کو روکے جنہیں خدا اور رسولؐ برائی کہتے ہیں۔

(۲) اس سے ایک اور حقیقت بھی مکمل کر سامنے آتی ہے، تھیاکریسی اپنے مقصد کے اعتبار سے ایک ایسا نظام پیش کرتی ہے جس میں حکومت پر سوائے ظلم کرنے کے اور کوئی ذمہ داری عائد نہیں کی جا سکتی ہے۔ اس کے

Marfat.com

برعکس اسلام حکومت پر کچھ ذمہ داریاں عائد کرتا ہے جن کی بجا آوری اُس کے اوّلین مقاصد میں سے ہے۔ ان میں سب سے بڑی ذمہ داری شہریوں کے جان، مال، آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری ہے۔ اس چیز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت احادیث میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے شہریوں کے اس حق کے متعلق یوں ارشاد فرمایا:۔

ان دماءکم واموالکم	تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری
واعراضکم حرامٌ کحرمۃ یومکم	آبروئیں ویسی ہی حرمت رکھتی ہیں جیسی
ھٰذا۔	حج کے دن کی حرمت ہے۔

ان چیزوں کی حفاظت کی ذمہ داری کے ساتھ الا بحقہا وحسابہم علی اللہ کی قید لگا کر اس حقیقت کو واضح فرما دیا کہ ریاست کسی شہری کی ان چیزوں میں کوئی مداخلت صرف اسلامی قانون کے اندر ہی برداشت کر سکتی ہے۔

(ب) ظیبا کریسی میں برسر اقتدار طبقہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ لوگوں کے اموال سے جس قدر چاہے حصہ لے لے، اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان کے خلاف کوئی بات بھی کر سکے۔ اسلام اس کے برخلاف ہر شہری کی ملکیت ذاتی کی جس کا وہ از روئے شریعت اسلامی جائز طریقہ سے مالک بنا ہے، حفاظت کرتا ہے۔ قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔

وَلَیْسَ لِلْاِمَامِ اَنْ یُخْرِجَ	امام (حکومت) کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ

Marfat.com

شیئاً من احد الا بحق ثابت معروف۔	وہ کسی ثابت شدہ قانونی حق کے بغیر کسی شخص کے قبضے سے اس کی کوئی چیز نکالے۔

اگر کسی شخص کی ملک ذاتی پر حکومت کو کسی اجتماعی ضرورت کے لیے قبضہ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اُس کے حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یا تو اس کی رضامندی حاصل کی جائے یا اُسے اُس کا معقول معاوضہ دیا جائے[1]۔

(ج) اسلام اور تھیاکریسی میں ایک اور فرق اُن کے عدالتی نظام کا اختلاف ہے۔ تھیاکریسی میں جج اقتدار اعلیٰ کے نائب ہونے کی حیثیت سے منزہ عن الخطا سمجھا جاتا ہے۔ اُس میں دلوں کے راز جاننے اور قدرت کے اشارے سمجھنے کی قوت ہوتی ہے۔ اس لیے وہ نہ تو کسی گواہ کی شہادت کا محتاج ہوتا ہے

---

[1] اس کی تائید میں مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے الاستیعاب جلد ۲ سے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے :-

"جنگ حُنین کے لیے جاتے ہوئے آپ نے صفوان بن امیہ سے زرہیں حاصل کی تھیں اور جب اُس نے کہا اغصبا یا محمدؐ "کیا بلا معاوضہ لے لینے کا ارادہ ہے اے محمدؐ۔ آپ نے فرمایا نہیں، بل عاریۃ مضمونۃ " یہ مستعار ہیں اور جو ان میں سے ضائع ہوں گی ان کا معاوضہ دیا جائے گا"۔ (اسلامی ریاست۔ شہریوں کے حقوق و فرائض)

اور نہ مجرم کی صفائی کا۔ حقیقتِ حال لوگوں کی آنکھوں سے خواہ کتنی ہی اوجھل کیوں نہ ہو مگر اُس کے سامنے بالکل بے نقاب ہوتی ہے۔ چنانچہ ہنری چارلس لی (Henry charles Lea) اپنی کتاب A History of the Inquisition میں لکھتا ہے :-

"کسی مشتبہ گنہ گار کا فیصلہ عدالت میں آنے سے پہلے ہی ہو جاتا۔ منصف کی کوششوں کا مقصد یہ نہ تھا کہ اُس بدنصیب کو ناانصافی سے بچایا جائے بلکہ یہ تھا کہ اُس سے کسی نہ کسی طرح جرم منوا کر کلیسا کی لاج رکھی جائے۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے صفائی کے مواقع کم کر دیے گئے۔"

اس کے برعکس اسلام میں کسی شخص کی آزادی "معروف قانونی طریقے" پر اُس کا جُرم ثابت کیے بغیر اور اُسے صفائی کا موقع دیئے بغیر سلب نہیں کی جا سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کسی بڑے سے بڑے انسان کو بجز انبیاء کے معصوم نہیں سمجھتا۔ یہاں نہ تو کوئی غیب کا علم جانتا ہے اور نہ انبیاء کے علاوہ قدرت کا رازداں۔ اس لیے ہر شخص کو پوری صفائی کا موقع دیا جاتا ہے۔ چنانچہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت ایسی روایات ملتی ہیں جن سے لوگوں کے اس حق کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

عن بھز بن حکیم عن ابیہ — بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا

انه (اعنی جدّہٗ) قام الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یخطب فقال جیرانی بما اُخِذَ، فاعرض عنه مرتین، ثم ذکرہٗ ما شاء فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خلّوا له جیرانه

(ابوداؤد)

روایت کرتے ہیں کہ وہ (یعنی ان کے دادا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آنحضرت اس وقت خطبہ دے رہے تھے۔ انہوں نے سوال کیا کہ میرے پڑوسیوں کو کس قصور میں گرفتار کیا گیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ تو ان کے سوال کی طرف توجہ نہ فرمائی لیکن انہوں نے (سائل نے) پھر کچھ کہا تو آپ نے حکم دیا کہ ان کے پڑوسیوں کو رہا کر دو۔

عن علیٍّ رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا علیؓ! اذا جلس الیك الخصمان فلا تقض بینهما حتی تسمع من الآخر کما سمعت من الاول۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی! جب تمہارے سامنے دو فریق معاملہ پیش ہوں تو ان کے درمیان اس وقت تک فیصلہ نہ کرو جب تک کہ دوسرے سے بھی اس کا بیان اسی طرح نہ سن لو جس طرح پہلے کا بیان سنا ہے۔

Marfat.com

تقابلِ مقاصد

تھیاکریسی کی غایتِ اولیٰ یہی ہے کہ دنیا میں ایک ایسا ظالمانہ اور قاہرانہ نظام قائم کیا جائے جس میں لوگوں پر زیادہ سے زیادہ سختیاں کی جاسکیں، کیونکہ ان سختیوں کو برداشت کرنے سے ہی انسان کی عاقبت دُرست ہوسکتی ہے۔ حکومتِ الٰہیہ کا اصل مقصد چونکہ لوگوں کی عاقبت سنوارنا ہے اس لیے اس زندگی میں جس قدر استبداد زیادہ ہوگا اتنا ہی وہ عوام کے حق میں بہتر ہے۔ اس بنا پر اگر تھیاکریسی کی حدود میں کوئی فاقہ مستی کا شکار ہے، کوئی بیمار ہے کوئی بے گھر ہے، تو اسے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس دنیا میں جہنم کی سی سختیوں کو برداشت کرنے کے بعد ہی اُسے آخرت میں جنت کی نعمتوں کی توقع ہوسکتی ہے۔ اب اگر حکومت کسی فرد کو بھوک اور افلاس

Marfat.com

سے نجات دلاتی ہے، اُس کے علاج کا انتظام کرتی ہے، اُسے مکان مہیا کرتی ہے تو وہ مشیتِ الٰہی میں داخل ہوتی ہے اور اس وجہ سے وہ حکومتِ الٰہیہ کہلانے کی مستحق نہیں۔ اسلام کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ انسان دنیا میں خدا کا نائب اور خلیفہ ہے اور اس وجہ سے اس کا فرض ہے کہ وہ اس دنیا میں رب العلمین کی ربوبیت سے فائدہ اٹھا کر اس کے احکام کے مطابق ایک ایسا صالح نظام قائم کرے جو اگر ایک طرف روحانی اور اخلاقی برتری کا ضامن ہو تو دوسری طرف سیاسی، تمدنی اور معاشی ترقی و کمال کا بھی حامل ہو۔ انہی وجوہ کی بنا پر اسلامی حکومت جہاں عوام کے اخلاق کو درست کرنے کا انتظام کرتی ہے وہاں اس بات کا بھی خیال رکھتی ہے کہ اسلامی ریاست کے اندر رہنے والا کوئی فرد بھی زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم نہ ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

انا وارث من لا وارث لہٗ اعقل لہ وأرثہٗ (ابوداؤد)	میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہیں۔ اس کی جانب سے دیت ادا کروں گا (اگر اس کے ذمہ واجب الادا ہوگی) اور اس کی وراثت لونگا اگر اس نے چھوڑی ہوگی۔
السُّلطان ولی من لا ولیَّ لہٗ۔	حکومت ہر اُس شخص کی ولی (دست گیر و مددگار) ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔

Marfat.com

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔

ان اللہ تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اموالھم بقدر ما یکفی فقراءھم فان جاعوا او عروا وجھدوا فیمنع الاغنیاء وحق علی اللہ تعالیٰ ان یحاسبھم یوم القیٰمۃ ویعذبھم علیہ (محلّٰی ص ۱۵۸)

اللہ تعالیٰ نے اہلِ دولت کے اموال پر ان کے غریب بھائیوں کی معاشی حاجت کو بدرجۂ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے پس اگر وہ بھوکے ننگے یا معاشی مصائب میں مبتلا ہوں گے، محض اس بنا پر کہ اہلِ ثروت اپنا حق ادا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن اس کی باز پرس کریگا اور اس کو تباہی پر ان کو عذاب دیگا۔

اسلامی حکومت کی اسی ذمّہ داری پر بحث کرتے ہوئے مشہور محدّث ابنِ حزمؒ ظاہری تحریر فرماتے ہیں :۔

"اور ہر ایک بستی کے اربابِ دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غربا کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر مالِ فئے (بیت المال کی آمدنی) سے ان غربا کی معاشی کفالت پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان (امیر) ان اربابِ دولت کو اس کفالت کے لیے مجبور کر سکتا ہے (یعنی ان کے فاضل مال سے بہ جبر لے کر فقراء کی ضروریات میں صرف کر سکتا ہے) اور ان کی زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت

Marfat.com

کے مطابق روٹی مہیا ہو، پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں لحاظ سے لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو جو ان کو بارش، گرمی، دھوپ اور سیلاب جیسے حوادثات سے محفوظ رکھ سکے"۔

خلفائے راشدین اس ذمہ داری کو جس مستعدی و سرگرمی اور جس فیاضی کے ساتھ بلا کسی تاخیر کے ادا کرتے تھے، تاریخ عالم کا ہر ورق اس کا گواہ ہے۔ مولانا شبلی نعمانی اپنی مشہور تصنیف الفاروق میں لکھتے ہیں :-

"اس بات کا سخت اہتمام کیا کہ ممالک محروسہ میں کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہونے پائے۔ یہ عام حکم تھا اور اس کی ہمیشہ تعمیل ہوتی تھی کہ ملک میں جس قدر اپاہج، از کار رفتہ، مفلوج وغیرہ ہوں سب کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی جائیں۔ لاکھوں سے متجاوز آدمی فوجی دفتر میں داخل تھے جن کو گھر بیٹھے خوراک ملتی تھی۔ اول یہ انتظام شروع کیا تو حکم دیا کہ ایک جریب آٹا پکایا جائے۔ پک کر تیار ہوا تو تیس آدمیوں کو بلا کر کھلایا۔ شام کو پھر اسی قدر آٹا پکوایا اور اسی قدر آدمیوں کو کھلایا۔ دونوں وقت کے لیے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک آدمی کو مہینے بھر کی خوراک کے لیے دو جریب آٹا کافی ہے۔ پھر حکم دیا کہ ہر شخص کے لیے اسی قدر آٹا مقرر کر دیا جائے۔ اعلان کے لیے منبر پر چڑھے اور پیمانہ ہاتھ میں لے کر یہ الفاظ فرمائے :-

Marfat.com

انی قد فرضت لکل نفس مسلمۃ فی شھر مدی حنطۃ وقسطی خل — یعنی مَیں نے ہر مسلمان کے لیے فی ماہ دو مُد گیہوں اور قسط بھر سرکہ مقرر کیا۔

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لیے بھی؟ فرمایا ہاں غلام کے لیے بھی۔ غربا اور مساکین کے لیے بلا تخصیص مذہب حکم تھا کہ بیت المال سے ان کے روزینے مقرر کر دیے جائیں۔ چنانچہ بیت المال کے عامل کو لکھ کر بھیجا کہ خدا کے اس قول میں کہ "انما الصدقت للفقرا والمساکین" فقرا سے مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب مراد ہیں۔[1]

نظام تھیا کریسی کو جو چیز غذا مہیا کرتی ہے وہ عوام کی جہالت ہے اسی سے مذہبی طبقوں کی سطوت اور خدائی قائم رہتی ہے۔ اس لیے ان لوگوں نے علم دین اور اس کے حصول کو صرف اپنے تک محدود رکھا اور باقی لوگوں کے لیے یہ ایک "شجرِ ممنوع" قرار دیا گیا۔ مذہبی پیشواؤں کو یہ خوف لاحق تھا کہ "اندرون خانہ" مذہب کے نام پر جو کچھ کیا جا رہا ہے اگر اس کا عوام کو علم ہو گیا تو ان کی پیشوائی کا

---

[1] الفاروق از علامہ شبلی نعمانی

Marfat.com

طلسم ٹوٹ جائے گا۔ اور لوگ ان کے دام میں اتنی آسانی سے اسیر نہیں ہونگے۔ لہٰذا انہوں نے لوگوں کو تعلیم سے بے بہرہ رکھنے کی پوری پوری کوشش کی۔ اس کے برعکس نظام اسلامی میں خلفاء نے زندگی کی اس اہم حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا کہ جو چیز کسی فرد کے ضمیر کو حساس بناتی ہے اُسے خیر و شر میں بلا تاخیر تمیز کرنا سکھاتی ہے، وہ صرف علم کی قندیل ہی ہے۔ اس کے ذریعہ انسان اپنی ساری قوتوں کو مجتمع کرتا، اور ان سے صحیح طور پر کام لینا سیکھتا ہے۔ یہی وہ ذریعہ ہے جس سے وہ نت نئے تجربات کرتا ہے اور اس طرح اپنی زندگی میں توسیع و استحکام پیدا کرتا ہے۔ اسی سے خودی اپنی تقدیر کی تعبیر کرتی ہے۔ انسان اپنی ذات کے اثبات اور تکمیل کے لیے اس بات کا محتاج ہے کہ وہ نہ صرف اپنے گردوپیش سے واقف ہو بلکہ اپنے آئیڈیل اور اس کے مضمرات سے بھی اچھی طرح شناسا ہو تاکہ وہ جب بھی ماحول میں اپنے اس نصب العین کے مطابق تصرف کرنے کا ارادہ کرلے تو اس راہ کی مشکلیں اس کے لیے آسان ہو جائیں۔ تھیاکریسی نے علم کو چند لوگوں کی میراث بنا کر طالب و مطلوب کے درمیان جو پردے حائل کر رکھے تھے اسلام نے ان سب کو تار تار کر دیا ہے اور ہر فرد کو نہ صرف موقع دیا ہے بلکہ اس پر فرض کیا ہے کہ وہ حق کو خود اپنی آنکھ سے دیکھے۔ اُس کی آیات پر خود غور و فکر کرے اور پھر اپنی عقل اور وجدان سے کام لے کر زندگی کا سفر شروع کرے[1]۔ علم کی اسی فرضیت کو حدیث

---

[1] اسلام اور تھیاکریسی کے درمیان یہ فرق اتنا واضح ہے کہ اس نے دونوں کے رہاتی مشا[illegible]

میں یوں بیان کیا گیا ہے :-

(بقیہ حاشیہ ص۱۱۷) فنِ تعمیر تک کو متاثر کیا ہے۔ چنانچہ اگر آپ دوسرے مذہبوں کے معابد پر غور کریں تو دیکھیں گے کہ :-

"عمارت میں پُر اسرار ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہیں بالکل اندھیرا ہے تو کہیں سورج کی روشنی کو رنگے ہوئے شیشوں میں گذارا گیا ہے تاکہ دماغ پر ایک مخصوص قسم کی اجنبیت اور ہیبت طاری ہو سکے۔ اسلامی عمارتوں میں اس قسم کی بازیگری مطلق روا نہیں رکھی گئی۔ مسجد کی اہم چیز صحن ہے جس میں زیادہ سے زیادہ روشنی اور ہوا آتی ہے۔ بات یہ ہے کہ خود اسلام کا سارا فلسفۂ زندگی ہی ابہام پرستی اور رمزیت سے کوسوں دُور ہے۔ اسلام انسانی ذہن کو علم اور کلچر کے ذریعے زیادہ سے زیادہ منوّر کرنا چاہتا ہے۔ اسی آدرش کی علامت ہماری مسجدیں ہیں۔ مسجدوں کے زیر اثر دوسری اسلامی عمارتوں میں بھی یہ خصوصیت بہت نمایاں نظر آتی ہے۔ یہاں ہوا اور روشنی پر کم سے کم پابندی لگائی جاتی ہے۔

پھر اسلامی عمارتوں کے نقشے بڑے سیدھے سادھے ہوتے ہیں۔ اسلامی عمارتیں ہندو یا گوتھک عمارتوں کی طرح بھول بھلیاں نہیں ہوتیں، یہاں عمارت ساز بنیادی نقشے سے انحراف نہیں کرتا۔ ہندو عمارتوں کو

(باقی ص۱۱۹)

Marfat.com

طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃٍ ۔

علم کا حصول ہر ایک مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کو جس قدر اہمیت دی ہے اُس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ بدر کی لڑائی میں جو قیدی گرفتار ہوئے اُن میں بعض تعلیم یافتہ قیدیوں کا فدیہ آپؐ نے یہ قرار دیا کہ وہ مسلمانوں کے کچھ بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ اس کے علاوہ بالغوں میں تعلیم عام کرنے کے لیے حضورؐ نے یہ قاعدہ مقرر فرما دیا کہ مدینہ کے باہر کے مسلمان اپنے میں سے کچھ ذی صلاحیت افراد کو مدینہ بھیجیں تاکہ وہاں سے تعلیم حاصل کر کے جب وہ لوٹیں تو پھر اُس سے پوری بستی کو بہرہ ور کریں۔ جن لوگوں کو حکومت کے بڑے بڑے مناصب عطا کیے جاتے انہیں بھی تعلیم کے متعلق خاص تاکید کی جاتی۔ چنانچہ عمرو بن حزم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۸) دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ بنانے والے کو بنانے میں کوئی بات سوجھ گئی اور وہ کر گزرا مگر اسلامی عمارتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جیسے ذرا ذرا سی تفصیل پہلے سے سوچی ہوئی ہو۔ اسلامی عمارت سازشی جذبات یا اثرات کی پیروی نہیں کرتا بلکہ ایک عقلی اور اقلیدسی نقشے کے مطابق کام کرتا ہے۔"

(اسلامی فنِ تعمیر کی روح از محمد حسن عسکری)

Marfat.com

کو یمن کا گورنر مقرر فرماتے ہوئے کہا :۔

"اور اُس کو یہ ہدایت کی کہ وہ حق پر قائم رہے۔ جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور لوگوں کو بھلائی کی خوشخبری اور بھلائی کا حکم دے۔ اور لوگوں کو قرآن کی تعلیم دے اور ان میں اس کی سمجھ پیدا کرے اور لوگوں کو ناپاکی کی حالت میں قرآن کو ہاتھ لگانے سے روکے .... اور لوگوں کی دلداری کرے یہاں تک کہ لوگ دین کا فہم پیدا کرنے کی طرف مائل ہوں[1]"

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے خطبوں میں بار بار فرمایا کرتے تھے :۔

اللّٰھم انی اشھدک علیٰ امراء الامصار فانی انما بعثتھم لیعلموا الناس دینھم وسنۃ نبیّھم۔

اَے اللہ! میں اپنے تمام علاقوں کے عہدیداروں پہ تجھ کو گواہ ٹھہراتا ہوں کہ میں نے ان کو اس لیے مقرر کیا ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے دین اور ان کے نبی کے طریقہ کی تعلیم دیں۔

ایک دوسرے خطبہ میں عوام کو اپنے عہدیداروں کے اس فرض سے ان الفاظ میں آگاہ فرمایا ہے :۔

---

[1] ابن ہشام بحوالہ اسلامی ریاست از مولانا امین احسن اصلاحی۔

Marfat.com

وَلکنی استعملتھم لیعلموکم کتاب ربکم وسنۃ نبیکم۔[1] میں نے ان کو اس لیے مقرر کیا ہے کہ تم کو تمہارے پروردگار کی کتاب اور اس کے رسُول کی سنت کی تعلیم دیں۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے تعلیم کو عام کرنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں اُن کے متعلق مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:۔

"تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن کا درس جاری کیا اور معلم و قاری مقرر کرکے ان کی تنخواہیں مقرر کیں چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معلّموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔۔۔ خانہ بدوش بدوؤں کے لیے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پہ جاری کی چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابو سفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن پاک کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اس کو سزا دے۔ مکاتب میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیج دیے گئے تھے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔[2]

---

[1] ابن ہشام بحوالہ ریاست اسلامی از مولانا امین احسن صاحب اصلاحی

[2] الفاروق شبلی نعمانی

Marfat.com

قرآنِ حکیم اور سنتِ نبوی نے جو بصیرت مسلمانوں کے اندر پیدا کی اس کی مدد سے انہوں نے انفس و آفاق پر غور کر کے خدا کی حکمتوں کو جاننا شروع کیا[1] اور اس طرح اپنے نظامِ تصورات اور نظامِ عمل میں صحیح توازن پیدا کیا۔ فکر و نظر کی اس تبدیلی سے مسلمان حکمائے اپنے طرزِ استدلال کو بھی یکسر بدل دیا۔ انہوں نے بندھے ٹکے کلیات سے منطق کے بل پر جزئیات اخذ کرنے[2] کے معروف طریقے کو چھوڑ کر جزئیات کے تجربہ اور مشاہدہ سے کلیات اخذ کرنا سیکھا۔ اس طرح جدید سائنس کی بنیاد ڈالی۔ پھر اس میں بھی مسلمان مفکرین کا کمال یہ ہے کہ وہ اس راہ کے کانٹوں سے پوری طرح دامن بچا کر نکل گئے۔ استقرائی منطق اور تجربہ اور مشاہدہ اکثر اوقات انسان کو مادی دنیا کے "خم و پیچ" میں اُلجھا دیتا ہے اور اس طرح حقیقت تک پہنچنے میں اسے کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔ پھر اس کے ذریعہ انسان کے اندر ایک غلط قسم کی خود اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ بسا اوقات وحی و الہام کی ضرورت کا انکار کر دیتا ہے۔ مسلمان حکمائے اس

---

[1] قرآنِ پاک میں بار بار ذکر آتا ہے کہ فطرت کا مشاہدہ کرو۔ یہاں صرف دو آیتیں نقل کی جاتی ہیں ان فی السمٰوٰت والارض لاٰیٰت للمومنین (۱۵:۷۷) و کاین من اٰیۃ فی السمٰوٰت والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون (۱۲:۱۰۵)

[2] استخراجی (DEDUCTIVE)

طرتی استدلال سے بالکل ایک دوسری طرح کا کام لیا۔ اس عالم رنگ و بُو کی رنگینیاں اور رعنائیاں ان کی نظر کو فریب نہ دے سکیں۔ وہ ان سے گزر کر اس ذات تک پہنچے جس کے ایک معمولی اشارہ نے اس ساری کائنات کو پیدا کیا۔ انہوں نے مادّی زندگی سے پُوری طرح فائدہ اُٹھا کر بھی اس کی مبالغہ آمیز قدر و قیمت سے احتراز کیا اور انسان کو فطرت کا تابع بنانے کی بجائے فطرت کا مسخر کرنے والا قرار دیا۔ پھر انہوں نے مشاہدہ اور تجربہ کی اہمیت کو پُوری طرح تسلیم کرتے ہوئے انسان کو یہ بتایا کہ ان کی کچھ حدود و قیود ہیں جن کو پھاندنا اس کے لیے سخت مہلک ہے۔ اس طرح انہوں نے عقل سے پُوری مدد حاصل کی مگر اس کی امامت اور پیشوائی کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ خود عقل کو بھی اس رانہ سے آشنا کیا کہ زندگی کے کون سے گوشے اس کی رسائی سے باہر ہیں۔ لہٰذا اسے اپنے آپ کو اُن "کوچوں" میں نہیں لے جانا چاہیے۔ جہاں سے بالآخر اسے رسوا ہو کر لوٹنا پڑے۔ اسی طرح انہوں نے نہ صرف وحی و الہام کی ضرورت کو واضح کیا بلکہ عقل کو بھی ایک خطرناک گمراہی[1] سے بچایا۔ اور دنیا کو یہ حقیقت ذہن نشین کرائی

---

[1] اس مسئلہ پر اسلام کے بے شمار حکماء نے بحث کی ہے مگر ہم یہاں صرف ابن خلدون کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں:-

"اپنے ذہن کے اس دعویٰ پر کبھی اعتماد نہ کرنا کہ وہ کائنات اور

(بقیہ صفحہ ۱۲۴ پر)

Marfat.com

کہ انسان کی مادّی زندگی بھی اس بات کی محتاج ہے کہ اُسے ایک بالاتر روحانی زندگی کے تابع کیا جائے۔ اس ایک نقطۂ نظر کے مطابق مسلمانوں نے اپنے سارے نظامِ حیات کی تدوین کی۔ اسی کے مطابق ان کی معاشرتی زندگی وجود میں آئی۔

یورپ میں آج علم و ہنر کی جو روشنی موجود ہے وہ اس شمع کی رہینِ منّت ہے جسے نبیٔ آخر الزماں نے آج سے ۱۴ سو سال قبل عرب کے ریگستان میں فروزاں کیا تھا۔ یہ ایک اتنی بڑی حقیقت ہے کہ اس کو کسی صورت میں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ مسلم تو کیا، بڑے بڑے متعصب غیر مسلموں نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ ڈاکٹر گستاؤ لیبوں اپنی کتاب "تمدّن عرب" میں اس کا یوں اعتراف کرتا ہے:-

"عربوں کے اندلس میں دسویں صدی میں پہنچنے کی بدولت یورپ کے ایک گوشہ میں علوم و ادب کا وہ چرچا باقی رہا جو ہر جگہ بلکہ قسطنطنیہ میں بھی متروک ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں بجز عربی سرزمین اندلس کے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۳) اسبابِ کائنات کا احاطہ کر سکتا ہے اور پورے وجود کی تفصیل پر اسے قدرت ہے۔ . . . ہمارے یہ ادراکات محدود اور حادث ہیں اور خدا کی قدرت اور اس کی مخلوقات اس سے کہیں زیادہ وسیع اور اس کے وجود کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ خارج ہے، اور اللہ کا احاطہ سب کو شامل ہے۔ بس اپنی قوت و ادراک کی وسعت اور اپنے مدرکات کی تعداد پر (باقی صفحہ ۱۲۵ پر)

کوئی مقام نہ تھا جہاں علوم کی تحصیل ممکن ہو اور یہیں وہ خاص اور معدود اشخاص جن کو علم کا شوق تھا تحصیل کے لیے آتے تھے۔ ایک اختلافی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۴) ہمیشہ شبہ کرو اور شریعتِ الٰہی کی تعلیمات پر ہمیشہ اعتماد رکھو اس لیے کہ اس کو تمہاری سعادت کا تم سے زیادہ خیال اور تمہارے منافع کا تم سے زیادہ علم ہے۔ اس کی منزل تمہاری منزلِ علم سے کہیں بلند اور اس کا دائرہ تمہاری عقل کے دائرہ سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ لیکن اس سے عقل اور اس کے مدارک پر کوئی حرف نہیں آتا۔ عقل ایک صحیح ترازو ہے اس کے فیصلے یقینی ہیں، جن میں کوئی جھوٹ نہیں، لیکن تم اس ترازو میں امورِ توحید، امورِ آخرت، حقیقتِ نبوت، حقائقِ صفاتِ الٰہی اور وہ تمام امور و حقائق جو ماورائے عقل ہیں تول نہیں سکتے۔ یہ لاحاصل کوشش ہوگی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے ترازو دیکھی جو سونے کا وزن کرنے کے لیے ہے۔ اس کو اس ترازو میں پہاڑوں کے تولنے کا شوق پیدا ہوا جو ناممکن ہے اس سے ترازو کی صحت پر کوئی حرف نہیں آتا لیکن اس کی گنجائش کی ایک حد ہے۔ اس طرح عقل کے عمل کا بھی ایک دائرہ ہے جس کے باہر وہ قدم نہیں نکال سکتی۔ وہ اللہ اور اس کے صفات کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس لیے کہ وہ اس کے وجود کے مقابلے میں ایک ذرہ ہے!

روایت کی رُو سے جس کا غلط ہونا اب تک ثابت نہیں ہوا ہے۔ گربرٹ نے جو ۹۹۹ء میں سلوتر دوم کے نام سے پوپ بن گیا یہیں علم حاصل کیا تھا۔ جس وقت اس نے اپنے علم کو یورپ میں اشاعت دینا چاہی تو وہ یورپ کو اس قدر خلافِ فطرت معلوم ہوا کہ انہوں نے اسی پر شیطان کے مسلط ہونے کا الزام لگایا۔ پندرہویں صدی تک کسی ایسے مصنف کا حوالہ نہ دیا جاتا تھا جس نے محض عربوں سے نقل نہ کیا ہو۔ ..

راج بیکن، پیا کا لیونا ڈویل تو کا آرنو ڈیا ال سنٹ ٹامس، ابرٹ بزرگ قسطیلیہ کا الفانس دہم، یہ سب بزرگ عربوں کے شاگرد تھے یا ان کی تصنیفات کے نقل کرنے والے۔ موسیو رینان لکھتے ہیں" کہ ابرٹ بزرگ نے جو کچھ پایا ابن سینا سے پایا اور سینٹ ٹامس کو اس کا سارا فلسفہ ابنِ رشد سے ملا"۔ ان ہی عربوں کی ترجمہ کی ہوئی کتابوں پر علی الخصوص علمی کتابوں پر پانچ چھ صدی تک یورپ کے کل دارالعلوموں کی تعلیم کا دارومدار رہا۔ بعض علوم میں مثلاً طب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عربوں کا تسلط خود ہمارے زمانہ تک رہا ہے کیونکہ صدی گزشتہ کے اخیر تک فرانس میں ابن سینا کی تصنیفات پر شرح لکھی جاتی تھیں"۔

تھیا کرسی اور اسلام میں ایک اور فرق یہ ہے کہ تھیا کریسی کا نظام حیات

Marfat.com

اس بنیاد پر قائم کیا گیا ہے کہ نظام جس قدر غیر معقول ہوگا اسی نسبت سے اس کے ماننے والوں کو اپنے جذبۂ اطاعت و پیروی کی شہادت دینا آسان ہوگا۔ اس لیے اس نظام میں تعلیل و مصالح کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔ یہ چند رسوم و احکام کا ایک ایسا انبار ہے جس میں کوئی سر رشتۂ مصلحت پنہاں نہیں۔ اس طرزِ فکر کو سینٹ اگسٹائن نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے :۔

"میرا اس پر اس لیے ایمان ہے کہ اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔"[1]

اس طرح اس نظام میں وہی شخص زیادہ قابلِ قدر ہے جو احکامِ الٰہی کے مصالح کو سمجھنے کی کم سے کم کوشش کرتا ہے اور مذہب کے نام پر عائد کردہ پابندیوں کو بغیر اُن کے مقصد و منشا کو سمجھے بلا چون و چرا قبول کرتا چلا جائے۔ اگر اس طرزِ فکر پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ

(۱) تھیاکریسی نے فکر و عمل کا ایک ایسا بے روح اور بے لچک ڈھانچہ پیش کیا جس میں مبادیات سے لے کر فروعات تک کسی معمولی تبدیلی کی بھی گنجائش باقی نہ رہی۔

(۲) رائے کے اختلاف کو خواہ وہ کتنا ہی غیر اہم اور جزوی ہو بالکل برداشت نہ کیا جاتا۔

---

[1] CREDO A QUI, ALESURDUN

Marfat.com

(۳) غور و فکر، تدبر اور تفکر کا پوری طرح گلا گھونٹ دیا گیا۔

جن لوگوں نے اسلامی تعلیمات کا ایک سرسری سا جائزہ بھی لیا ہے وہ بھی اس حقیقت سے اچھی طرح آشنا ہیں کہ اسلام کا نظامِ حیات معقول المعنی ہے، اس کی ساخت اور بناوٹ اس بات کی آئینہ دار ہے کہ اس کے بنانے والے نے انسانی نفسیات کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ اس لیے اس کی تعلیمات قرینِ عقل و دانش ہیں اور اس نے تبلیغ کا جو طریق اختیار کیا ہے اُس سے ایک سلیم الفطرت انسان میں غور و فکر کی صلاحیتیں ابھرتی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام کے دفاع کے لیے متکلمین کارواں در کارواں پیدا ہوئے۔ اسی کے معارف کو سمجھانے کے لیے غزالی، خطابی، عزالدین، ابن عبدالسلام، اشعری، ابن قیم اور شاہ ولی اللہ ایسے جلیل القدر علماء پیدا ہوئے جنہوں نے نہایت ہی کاوش سے نہ صرف عبادات کے اسرار و رموز بیان کیے بلکہ معاشرت و اخلاق میں اسلام نے جو پابندیاں لگائی ہیں اُن کی حکمتوں سے بھی اہلِ دنیا کو آشنا کیا۔ اسی کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:۔

"لوگوں کا خیال ہے کہ شریعت کے احکام میں کوئی خاص مصلحت نہیں، کوئی خوبی اور فائدہ پیشِ نظر نہیں ہوتا اور یہ کہ اعمال نیک و بد اور ان کی جزا سزا میں کسی قسم کی مناسبت کا ہونا ضروری نہیں۔ ان لوگوں کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن فرائض اور احکام سے

لوگوں کو مکلف کیا ہے (ان کی بجا آوری ان پر فرض کی ہے) ان کی مثال ایسے ہے جیسے ایک آقا اپنے غلام کی اطاعت اور اس کی فرمانبرداری کی آزمائش کرنا چاہتا ہو اور اس لیے وہ اس کو حکم دے کہ اس پتھر کو یہاں سے اٹھا کر وہاں رکھ دو۔ . . . اس سے اس آقا کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا جذبہ معلوم ہو جائے۔ ویسے اس غلام کے ایسا کرنے میں کچھ بھی فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔ یہ خیال محض غلط ہے، جس کی احادیث نبویہ اور صحابہ کرام کے اقوال سے جس کو علمی زبان میں آثار کہا جاتا ہے تکذیب ہوتی ہے، صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں تھا۔[1]

قرآن حکیم نے اکثر مقامات پر اس امر کی صراحت کی ہے کہ احکام خداوندی میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے بے شمار حکمتیں موجود ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ	اس میں یقیناً نصیحت ہے اس کے لیے
كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ	جس کے پہلو میں دل ہو یا جو پوری توجہ
وَهُوَ شَهِیْدٌ - (ق)	کے ساتھ سنے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ

Marfat.com

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (انعام)

ہم نے آیات کو تفصیل سے بیان کیا ہے ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔

لَقَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ۔ (انعام)

ہم نے آیات کو ان لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

تِلْكَ اٰيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيْمِ۔ (لقمان)

یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں جو حکمت سے مملو ہے۔

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَا اٰيَاتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (نور)

یہ سورۃ ہے جسے ہم نے اتارا ہے، اور اس میں حدود و احکام کو بیان کیا ہے اور کھلی کھلی آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۔ (جاثیہ)

یہ کتاب اللہ کی طرف سے اتری ہے جو عزیز اور حکیم ہے۔

یہ آیتیں صرف قرآن حکیم کے دعوت کے طریق سے متعلق ہیں۔ ان میں مسائل کو سلجھانے کا جو ڈھنگ اختیار کیا گیا ہے اُن میں انسان کی عقل سلیم

Marfat.com

سے اپیل کی گئی ہے۔ مثلاً

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (انبیاء)

اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور خداؤں کا وجود ہوتا تو ان کے نظم و نسق میں غضب کا بگاڑ پیدا ہوتا۔

اسی طرح مختلف احکام دیتے وقت ان کی حکمت بھی بیان کر دی گئی تاکہ آنے والے لوگ، اگر کبھی ضرورت محسوس کریں اُن سے استنباط کر سکیں۔ مثال کے طور پر نماز کے متعلق ارشاد ہوتا ہے :۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ

اور نماز میری ہی یاد کے لیے قائم رکھو۔

پھر روزوں کے متعلق یوں فرمایا گیا ہے :۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح اُن قوموں پر فرض کیے گئے جو تم سے پہلے گزری ہیں تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

قصاص کا حکم دیتے ہوئے یوں کہا گیا ہے :۔

Marfat.com

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ — اے عقل والو! قصاص میں تمہاری زندگی ہے۔ توقع ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو گے۔

احادیث میں بھی بعض احکام کے ضمن میں مصالح و علل کی نشاندہی کا سراغ ملتا ہے جیسے غیر شادی شدہ آدمی کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے روزہ کی عادت ڈالنی چاہیے۔ کیونکہ

فان الصوم له وجاء۔ "روزہ قاطع شہوات ہے"۔

سو کر اُٹھنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ کسی برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ دھو لینا چاہیے۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ :-

انه لا يدري اين باتت يدهٗ۔ — وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ رات بھر کہاں رہے۔

ایک عقل سلیم رکھنے والا انسان اسلام کے احکام پر جس قدر زیادہ غور کرے گا اتنا ہی وہ انہیں قرین عقل پائے گا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکثر اوقات شریعت کی نسبت مصالح اور وجوہ پر غور کرتے جب کسی مسئلہ کی حکمت ان کی سمجھ میں نہ آتی تو وہ اوّل تو باہم سوچ بچار کرتے اور

اگر پھر بھی اُسے اپنے فہم سے بالاتر پاتے تو فوراً رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع فرماتے۔ اگر جستجو کی جائے تو اس قسم کے اخبار و آثار اس کثرت سے ملتے ہیں کہ ان کا آسانی سے احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم یہاں صرف چند مثالیں پیش کرتے ہیں :۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن غسل کرنے کا حکم دیا ہے۔ ابن عباسؓ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے، کہ اس سے مطلب نظافت اور صفائی ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی باغ کے میوہ دار درختوں کو اس وقت تک فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ میوہ اچھی طرح پختہ نہ ہو اور یقین نہ ہو جائے کہ اب وہ ہر قسم کی آفت سے محفوظ ہو گا۔ زیدؓ بن ثابت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ آپ کے اس حکم کے دینے کی وجہ یہ ہے اور اس میں یہ بات آپ کے پیش نظر تھی کہ اگر میوہ پک جانے سے پہلے درختوں کو فروخت کیا جائے تو ممکن ہے باغ پر کوئی آفت نازل ہو، اندریں صورت خریدار کو سخت نقصان اٹھانا پڑے گا۔"[1]

"سفر میں جو قصر نماز کا حکم دیا گیا ہے وہ اس بنا پر تھا کہ ابتدائے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ

اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں خود اشارہ ہے وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ لیکن جب راستے مامون ہو گئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمرؓ کو اس پر استعجاب ہوا اور آنحضرت سے دریافت کیا کہ اب سفر میں قصر کیوں کیا جاتا ہے؟ آنحضرت نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے[1]"

اِن تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کس طرح تھیاکریسی کے برعکس انسان کی عقل و فکر، اور فہم و شعور کی قوتوں کو اُبھارتا ہے۔ اگر مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بحیثیت مجموعی شاید ہی کسی مذہبی کتاب نے عقل کو اس قدر اُجاگر کیا ہو جتنا کہ قرآن حکیم نے کیا ہے۔

پھر اس کتاب پاک نے نہ صرف عقل کو جِلادی ہے بلکہ اسے "سلیم" بنانے کے لیے بھی پوری کوشش کی ہے۔ اُسے اُس کی حدود سے آگاہ کیا، اُسے حیات انسانی کے سارے خطرناک راستوں کی واقفیت بہم پہنچائی۔ جدید تمدن نے بلاشبہ انسان کو عقل سے کام لینا سکھایا۔ مگر جب یہی عقل گمراہی میں مبتلا ہوئی اور بغیر وحی و الہام کی مدد کے نوعِ انسانی کی راہنمائی کا فرض سرانجام نہ دے سکی تو

---

[1] الفاروق از مولانا شبلی

اس وقت عقل تباہ کن ثابت ہوئی۔ تہذیبِ جدیدہ کی سب سے بڑی بدنصیبی اور نارسائی یہی ہے کہ اس نے عقل کو بے زمام چھوڑ دیا ہے کہ جدھر چاہے جائے اور جو چاہے کرے۔ اسلام نے عقل کی زمام کار وحی الٰہی کے ہاتھوں میں دے کر اس کی بے راہ روی کو ختم کر دیا ہے اور اس طرح اسے انسانیت کے لیے مفید اور کارآمد بنایا ہے۔

اس نے ایک طرف وحی و الہام کی تکمیل کو بطور اساس تسلیم کرتے ہوئے زندگی کی ساری عمارت کو اس کے مطابق تیار کیا ہے، اور دوسری طرف اس نے تھیاکریسی کے جمود آفرین نظریہ کی جگہ حرکت کے اصول کو بھی اپنایا ہے۔ تھیاکریسی انسان کی رہبری اس معاشرہ میں کر سکتی ہے جو بالکل جامد، غیر متحرک اور بے حس ہو مگر جونہی معاشرہ نے ایک کروٹ لی، تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکلنی شروع ہو گئی۔ اس نے پوری کوشش سے راہوارِ زمانہ کو واپس لوٹانا چاہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ لوگ تو مذہب کو خیرباد کہہ کر نئی قوتوں کے ساتھ جا ملے اور اہلِ مذہب نے اپنی عافیت اس میں سمجھی کہ حالات کے تقاضوں سے یکسر آنکھیں بند کر کے، تنگ نظری اور تعصبات کی پناہ میں کچھ دیر وقت گزاریں۔ ظاہر ہے کہ ان کمزور سہاروں پر کوئی سوسائٹی زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ یہی کچھ ہوا۔ انقلاب کی آندھیوں نے ان سب کو فضائے آسمانی میں بکھیر دیا۔ اور کچھ مدت گزرنے کے بعد ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔

اسلام کی رُو سے مستقبل کے امکانات کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ ہاں، مستقبل ذاتِ الٰہی کے علمِ کُلّی میں فعلیت اور تخلیق کی حیثیت سے مضمر رہا ہے، اس وجہ سے کہ ذاتِ واجب کے علم میں وہ سب امکانات ہوتے ہیں جو عالم میں تکمیل پذیر ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے اُس نے انسان کی پوری رہنمائی کا سامان کر دیا ہے۔ تاہم اس میں کچھ مضمرات ایسے بھی ہیں جن کے اطلاقات نے روزِ ازل سے ہی تعین کی شکل اختیار نہیں کی۔ انہیں فہمِ انسانی کی سعی اور جہد کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔ اسلام بلا شبہ ایک مکمل دین، ایک متعین نظامِ حیات ہے جس میں زندگی کے ہر ہر گوشہ سے متعلق تفصیلی ہدایات ملتی ہیں لیکن وہ کبھی اس کا قائل نہیں کہ معاشرہ بجائے خود ساکن ہے اور اس میں کچھ ردّ و بدل نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر علماء اسلام اجتہاد کی مدد سے اُس روشنی کو جو عمومات کتاب و سنت میں پہلے سے پوشیدہ ہے، زمانہ کی ہر چال کے ساتھ منظرِ عام پر لاتے رہے اور اس طرح انہوں نے ہر دور میں نسلِ انسانی کی رہنمائی کی۔ انہوں نے نہ تو زمانہ کو پیچھے گھسیٹا، اور نہ ہی ہر نئی چیز کو بغیر سوچ کے سینہ سے لگایا، بلکہ تاریخ کی اضطراری رفتار سے جو نئے مسائل اُبھر کر سامنے آئے اُن کو اچھی طرح سمجھ کر کتاب و سنت سے اُن کا حل بھی پیش کیا۔ اس طرزِ فکر کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان تنگ نظری اور تعصب کے ان مسموم اثرات سے جنہوں نے تھیاکریسی کے پیروؤں کو برباد کیا ہمیشہ محفوظ رہے۔ اسلام کے ایک ولندیزی

Marfat.com

نقاد نے اس حقیقت کا یوں اظہار کیا ہے:۔

"جب ہم قانونِ اسلام کے ارتقا کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم یہ دیکھ کر حیران ہوتے ہیں کہ ایک طرف ہر زمانہ کے علما معمولی معمولی بات پر اپنے مخالفین کی تکفیر بھی کرتے رہے مگر دوسری طرف یہی لوگ اپنے پیشروؤں کے باہمی اختلافات کو بھی برابر رفع کرتے رہے"

اسلام نے حیاتِ انسانی کے حرکی تصور کو پیش کر کے مسلمانوں کے قلوب کو اتنا وسیع کر دیا ہے کہ تھیاکریسی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھیاکریسی میں رائے کے معمولی اختلاف پر مذہبی عدالتوں (Inquisition) کے چہروں پر شکن آجاتے اور ان اختلاف کرنے والوں کو نہایت ہی عبرتناک سزائیں دی جاتیں۔ اسلام نے اس کے برعکس رائے اور مسلک کی آزادی کو پوری اہمیت دی ہے۔ اس باب میں اسلامی قانون کی سب سے بہتر وضاحت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کی ہے۔ ان کے زمانہ میں خوارج کا گروہ پیدا ہوا تھا جو آج کل کے انارکسٹ اور نہلسٹ گروہوں سے ملتا جلتا تھا۔ حضرت علیؓ کے زمانے میں وہ علانیہ اسٹیٹ کے وجود کی نفی کرتے تھے اور بزورِ شمشیر اس کو مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ نے ان کو پیغام بھیجا:۔

کونوا حیث شئتم وبیننا	تم جہاں چاہو رہو اور ہمارے اور تمہارے
وبینکم ان لا تسفکوا دما ولا	درمیان شرط یہ ہے کہ تم خونریزی اور

Marfat.com

تقطعوا سبیلا ولا تظلموا احدًا۔ رہزنی نہ اختیار کرو اور ظلم سے باز رہو۔

ایک دوسرے موقع پر حضرت علیؓ نے ان کو پیغام دیا کہ

لا نبدأکم بقتال مالم تحدثوا جب تک تم فساد نہ کرو گے ہم تمہارے خلاف لڑائی کی ابتدا نہ کریں گے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلامی حکومت میں کوئی گروہ جو خیالات چاہے رکھے اور پُرامن طریقے سے جس طرح چاہے اپنے خیالات کا اظہار کرے[1]۔ اسلامی حکومت اس کو نہ روکے گی البتہ اگر وہ اپنے خیالات زبردستی (By voilent means) مسلط کرے اور نظام ملکی کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرے تو اُس کے خلاف کارروائی کی جائے گی[2]

یہی نہیں بلکہ وہ غیر مسلم جو اپنے آپ کو اسلامی حکومت کی ذمہ داری میں دے دیں اُنھیں نہ صرف زندگی کی وہ ساری سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں جن سے مسلمان متمتع ہوتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کے مذہبی حقوق اور

---

[1] مرتد کا مسئلہ اس سے مختلف ہے۔ وہ جب اسلام کو چھوڑتا ہے تو ملکی قانون (The Law of the Land) سے بغاوت کرتا ہے اور باغی کی سزا قتل ہوتی ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو "مرتد کی سزا اسلامی قانون میں" از سید ابو الاعلیٰ مودودی۔

[2] بحوالہ اسلامی دستور کی تدوین از سید ابو الاعلیٰ مودودی

ان کے پرسنل لا کی بھی پاسبانی کی جاتی ہے[1]۔

آخر میں ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ اس فرق کو بیان کرتے ہیں جو اسلام اور تھیاکریسی کے نظامہائے معاشیات میں پایا جاتا ہے۔

ہم گذشتہ صفحات میں اس امر کی پوری طرح وضاحت کر چکے ہیں کہ تھیاکریسی میں دنیاوی ترقی ایک مہاپاپ ہے۔ اس کے مطابق یہ عالم ایک "مایا" یا دام کا وہ دانہ ہے جسے شکاری نے خوبصورت اور پوشیدہ پھندوں کے درمیان بکھیر دیا ہے۔ اب جو کوئی اسے اٹھانے کی کوشش کرے گا وہی ان میں گرفتار ہوگا۔ لہٰذا انسان کے لیے عافیت اسی میں ہے کہ وہ اس دنیا اور اس کے معاملات سے پوری طرح کنارہ کش رہے[2]۔ یہ نظریہ بظاہر کتنا ہی جاذب نظر کیوں نہ ہو مگر حقیقت سے اتنا دور ہے کہ ایک سماج کے سارے افراد اس پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند باغرم انسان اس دنیا سے منہ موڑ کر جنگلوں اور بیابانوں کی طرف

---

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے اسلامی ریاست (۶) غیر مسلموں کے حقوق از مولانا اصلاحی

[2] آنجہانی لارڈ ایکٹن نے اپنی کتاب عیسائیت اور معاشیات میں لکھا ہے:

"معاشی امور میں انجیل سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش عموماً ناکام رہی ہے۔ عیسائیوں کی مذہبی کتاب کسی خاص معاشی نظام یا سیاسی جماعت یا معاشی زندگی کے لیے کسی لائحہ عمل کو پیش نہیں کرتی۔"

Marfat.com

چلے گئے۔ باقی رہنے والوں میں ایک ایسا عیار طبقہ بھی تھا جو دوسروں کی کمائی پر جینا چاہتا تھا۔ اس طبقہ نے میدان میں کسی دوسرے کو اپنا مدمقابل نہ پاکر اپنے ان خطرناک عزائم کی تکمیل کے لیے مذہب کا سہارا لیا۔ اس سلسلہ میں جو پہلا کام اس نے کیا وہ یہ تھا کہ دوسروں سے اپنی برتری کو تسلیم کروایا۔ پھر انہیں یہ بات بھی ذہن نشین کرائی کہ اُن کا مقصد صرف یہی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس کے عیش و آرام کے لیے سامان فراہم کرتے رہیں اور اگر وہ اس فرض کی بجا آوری سے روگردانی کریں تو وہ سخت مجرم ہیں۔ مثال کے طور پر چند احکام ملاحظہ کیجیے :

"برہمن اپنی پیدائش ہی سے دیوتاؤں کا دیوتا ہے۔ اور برہما جی نے اپنی عبادت کے زور سے برہمن کو اپنے مُنہ سے پیدا کیا ہے۔" دھرم کی رو سے نیچی ذات والا طمع سے بڑوں کے کرم (پیشہ) سے اوقات گزاری کرے تو راجہ اُسے بے زر کر کے جلد اپنے ملک سے نکال دے۔ برہمن کی سیوا (خدمت) شودر کا بڑا کرم (عبادت) ہے۔ اس کو چھوڑ کر اور جو کچھ کرتا ہے وہ سب نسپل (بے ثمر) ہے[1]

برہمن اور غیر برہمن کی اس تفریق کو خالص معاشی معاملات میں بھی روا رکھا گیا ہے۔ مثلاً قرض کی شرح سود برہمن سے فیصدی دو روپے، چھتری سے تین روپے، ویش سے چار روپے، اور شودر سے پانچ روپے[2]۔ اسی طرح کسی برہمن کی چار بیویاں

---

[1] منوسمرتی [2] ″

چار مختلف ذاتوں کی ہوں تو برہمن کا بیٹا چار حصے، کشتریہ کا بیٹا تین حصے، ویشیہ کا بیٹا دو حصے اور شودرہ کا بیٹا ایک حصہ لے گا۔[1]

پھر اس عیار طبقے نے پیشوں کی اس تقسیم کو اتنا مستقل بنا دیا کہ ایک انسان کے لیے ایک پیشہ کو چھوڑ کر دوسرے پیشے کو اختیار کرنا بالکل ناممکن ہو گیا۔ اور یہ ساری چالاکیاں اس لیے کی گئیں تاکہ لوگ ان کے چنگل سے آزاد نہ ہو سکیں۔ اس سلسلہ کا ایک فرمان ہے :۔

"اے کنتی کے فرزند! اپنا کرم (پیشہ) اگر یا عیب بھی ہو تو نہ چھوڑنا چاہیے۔ سب کاموں کے آغاز عیب سے لپٹے ہوئے ہیں، اسی طرح جیسے آگ دھوئیں سے لپٹی رہتی ہے"[2]

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ تھیاکریسی میں بالعموم اہلِ پیشہ کو حقیر اور ادنیٰ تصور کیا جاتا ہے اور ان کی زندگی کی وہ قدر نہیں ہوتی جتنی کہ ایک بڑے طبقہ کے فرد کی۔ چنانچہ بائبل میں مذکور ہے :۔

"اگر آقا اپنے خادم یا خادمہ کو ایک ڈنڈا رسید کرے اور وہ اس وقت مر جائے تو اس کو سزا دی جائے گی۔ لیکن اگر وہ ایک دن یا دو دن زندہ رہے تو اس کو سزا نہ دی جائے گی کیونکہ وہ اس کا

---

[1] منوسمرتی [2] ؍

مال ہے[1]"

یہی نہیں بلکہ اس طبقہ نے اپنی عیش پرستی کے لیے وہ وہ طریقے وضع کیے جن کے تصور سے عقل عاجز ہے۔ لیوپولڈ رینک نے اپنی کتاب "تاریخ پوپ" The History of Popes میں ان کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔ دولت کی ہوس اور مال کے عشق نے اس طبقہ کو اتنا مغلوب کر رکھا تھا کہ مذہبی عہدے اور منصب معمولی سامانِ تجارت کی طرح بکتے تھے اور ان کا نیلام بھی ہوتا تھا۔ جنت کے قبالے، مغفرت کے پروانے، نقضِ قانون کے اجازت نامے اور نجات کے سرٹیفکیٹ بے تکلف بکتے تھے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مذہبی عہدہ دار سخت راشی اور سود خوار ہو گئے اور دولت کو بے دریغ اڑانے لگے۔ ان کی فضول خرچی اور اسراف کا یہ حال تھا کہ پاپائے انوسینٹ ہشتم نے پاپائی کا تاج تک رہن رکھا۔ اسی طرح پاپائے لیو دہم کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے تین پاپاؤں کی آمدنی اڑا ڈالی۔ یعنی سابق پوپ نے جو دولت چھوڑی تھی پہلے وہ خرچ کی اس کے بعد اپنی دولت، جب یہ بھی کافی نہ ہوئی تو اپنے جانشین کی آمدنی کو پہلے سے وصول کر کے صرف کر ڈالا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مملکتِ فرانس کی پوری آمدنی بھی ان پاپاؤں کے اخراجات کے لیے کافی نہ ہوتی تھی[2]۔

---

[1] بائبل ہجرت باب ۲۱

[2] معرکۂ مذہب و سائنس از ظفر علی خاں

Marfat.com

اس پر مزید ستم ظریفی یہ کہ مملکت کے انتظام چلانے کے لیے جو روپیہ حاصل کیا جاتا اُس میں یہ طبقہ بالکل حصہ دار نہ ہوتا۔ اس قسم کے قوانین بنائے گئے جن کی رُو سے ٹیکسوں کا سارا بوجھ غریبوں پر پڑتا اور یہ لوگ ان کی زد سے بالکل محفوظ رہتے۔ منو سمرتی میں اس کی یوں صراحت کی گئی ہے :۔

"بادشاہ خواہ کتنا ہی ضرورت مند کیوں نہ ہو، اُسے برہمن پر کسی قسم کا ٹیکس عائد نہیں کرنا چاہیے"

اس قسم کے قوانین کا نتیجہ یہ ہوا کہ سماج دو مختلف طبقوں میں بٹ گیا ایک طرف تو مذہبی گروہ ہر قسم کی عیاشیاں کرتا اور اس کی مقناطیسی حیثیت گرد و پیش سے مزید دولت سمیٹتی چلی جاتی اور دوسری طرف عوام ہر لمحہ مفلوک الحال ہوتے چلے جاتے۔

اسلام تھیاکریسی کی طرح اس دنیا کو نہ تو "مایا" سمجھتا ہے اور نہ دام کا وہ دانہ جسے شکاری نے خوبصورت جال میں بکھیر دیا ہے بلکہ اسے ایک حقیقت سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے :۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ	ہم نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان
الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۔	ہے سب کچھ بیکار و ناحق پیدا نہیں
(ص-۳)	کیا۔
اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ	بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور

Marfat.com

الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ	دن رات کے الٹ پھیر میں بڑی نشانیاں
لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ	ہیں عقلمندوں کے لیے۔ جو اللہ کو یاد کرتے
يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَ	ہیں کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر
عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ	اور غور کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ رَبَّنَا مَا	پیدائش میں (اور ان کو دیکھ کر پکار اٹھتے
خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۔	ہیں) کہ اے پروردگار تو نے اس کو بیکار
(آل عمران۔ ۲۰)	نہیں پیدا کیا۔

قرآن حکیم نے زندگی سے فرار اور کنارہ کشی کو نیکی سے تعبیر نہیں کیا بلکہ اُس کے نزدیک نیکی یہ ہے کہ ایسا صالح ماحول پیدا کیا جائے جس میں کسی قسم کے ناجائز انتفاع کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ کسی طبقہ کو یہ موقع نہ ملے کہ وہ دوسروں کی کمائی ہوئی دولت پر عیش کرے یا اپنی خداداد صلاحیتوں سے وہ دوسروں کے جائز حقوق پر ڈاکہ ڈالے۔ اسلام مسلمانوں سے ایک ایسے نظام کے قیام کا مطالبہ کرتا ہے جس میں ہر فرد حیاتِ مستعار کی چند گھڑیاں پورے سکون و اطمینان سے گزار سکے۔

اس لیے جس طرح اُس نے زندگی کے دوسرے معاملات میں ہدایت دی ہے اسی طرح اُس نے معاشی زندگی کے لیے وہ قوانین دیے ہیں جن کی مدد سے سماج میں ہر قسم کی بے انصافی اور لوٹ کھسوٹ کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے

اس ضمن میں قرآن حکیم نے سب سے پہلے جس بنیادی حقیقت کو بے نقاب

Marfat.com

کیا ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی عزت اور اصلی مفاخرت دولت کی فراوانی اور سرمایہ کی کثرت میں نہیں بلکہ دلوں کے تقویٰ اور اعمال کی صالحیت میں ہے۔ اس کے ساتھ اُس نے افراد کے ذہن سے اس غلط خیال کی بھی بیخ کنی کرنے کی کوشش کی ہے کہ کوئی فرد بھی محض اپنی پیدائش کی بنا پر دوسروں پر برتری اور تفوق کا حقدار نہیں ہو سکتا ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے :-

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ (۴۹: ۱۳)

اے سارے انسانو زمین! ہم نے تم سب کو ایک ہی نوع کے مرد اور ایک ہی نوع کی عورت سے پیدا کیا ہے۔ ہمارے نزدیک تم سب برابر ہو، اور تمہارے مختلف گروہ اور قبیلے محض اس لیے بنا دیئے ہیں کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم سب میں قابل عزت وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اسلام نے نہ صرف ہر قسم کے مصنوعی امتیاز کو یک قلم مٹا دیا بلکہ محنت اور مزدوری کے خلاف سماج میں جو جذبۂ نفرت موجود تھا اُسے بھی ختم کر دیا۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائیں اور بعد میں اس کا ذکر فخریہ طور پر فرماتے۔ آپ نے اُجرت پر بوجھ بھی اٹھایا اور ارشاد فرمایا :-

الکاسب حبیب اللہ — پیشہ والے اللہ کے دوست ہیں۔

Marfat.com

اس کے علاوہ قرآنِ پاک نے نہایت ہی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ اس دنیا میں ہر انسان پر فرداً فرداً اس کے تمام اچھے اور برے اعمال کی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ اس لیے یہ خیال بالکل خام ہے کہ کوئی ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کا کفارہ ادا کر سکتا ہے یا اللہ کے علاوہ انہیں معاف کر دینے کا مجاز ہے۔ اسلام نے اس توقع کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ کوئی فرد بھی کسی بڑے سے بڑے تعلق اور کسی مضبوط سے مضبوط واسطہ کے طفیل جرائم کی پاداش سے بچایا جا سکتا ہے۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (۲۰۶)

ہر نفس جو کچھ کماتا ہے اس کا بوجھ اسی پر ہے۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ (۱:۶۰)

قیامت کے دن تمہارے رشتے اور تمہاری اولاد ہرگز کام نہ آئے گی۔ تمہارے درمیان اللہ فیصلہ کرے گا۔ اور اس کی نظر تمہارے عملوں پر ہے

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (۳:۳۵)

کوئی شخص کسی دوسرے کا بارِ گناہ اپنے سر نہ لے گا اور کہیں پر گناہوں کا بڑا بار ہو اور وہ اپنا ہاتھ بٹانے کے لیے کسی کو بلائے تو وہ اس کے بوجھ کا کوئی حصہ اپنے اوپر

Marfat.com

نہ لیگا خواہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَن وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِ شَيْئًا ۔ (۳۱-۴)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جب کہ نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام آئے گا نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آسکے گا۔

ان آیاتِ شریفہ سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق کوئی فردِ خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو نہ تو کسی دوسرے کو نجات کا وعدہ دلا سکتا ہے اور نہ اُسے مغفرت کی دستاویز دینے کا حق رکھتا ہے۔ قرآن کی رُو سے ان ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی دولت بالکل حرام ہے۔ اور غالباً اسی قسم کی کمائی کے متعلق کلامِ پاک میں یہ تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (التوبہ۔ ۵)

اے مومنو! یہودیوں اور عیسائیوں کے علماء اور مشائخ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال ناحق و ناروا کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے انہیں روکتے ہیں۔

خداوند تعالیٰ نے ایک مسلم سوسائٹی میں ایسی تمام چیزوں کے استعمال کو منع فرما دیا ہے جن کی ترکیب اُن عناصر سے کی گئی ہو جو یا تو جسمانی امراض کا

Marfat.com

مبدا بنتی ہوں، یا لوگوں کے قوائے حیوانی کو برانگیختہ کرنے میں ممد و معاون ہوں، یا اُن کے استعمال سے غرور، خود نمائی، اور جابرانہ نخوت ایسے مذموم جذبات بھڑکتے ہوں۔

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلَالًا طَيِّبًا۔ (مائدہ: ۱۲)

پس اللہ نے جو کچھ تم کو رزق دیا ہے اس میں سے حلال طیب کھاؤ۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ۔ (البقرہ: ۱۲)

اے لوگو! جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے حلال طیب کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ بلا شبہ وہ تمہارے لیے کھلا دشمن ہے۔

"حَلَالًا طَيِّبًا" کی تفسیر میں علامہ رشید رضا لکھتے ہیں:۔

"طیب سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو اس لیے کہ نص قرآنی نے جن اشیاء کو حرام کیا ہے ان کی حرمت تو ذاتی ہے اور اس لیے مضطر کے علاوہ کسی حالت میں کسی کے لیے ان کا استعمال درست نہیں، اور ان کے علاوہ جن اشیاء کی حرمت اُس شے کی حقیقت اور ذات میں نہیں پائی جاتی ہے بلکہ باہر کے اسباب سے حرمت آتی ہے، ان کی ممانعت طیب کہہ کر کر دی گئی ہے۔

پس جو شے ناحق لی گئی اور صحیح طریق کار سے حاصل نہیں کی گئی

Marfat.com

بلکہ ربا، رشوت، جُوا، ظلم، غصب، دھوکہ، خیانت اور چوری جیسے ناپاک ذرائع سے حاصل کی گئی، وہ بھی حرام ہے اس لیے کہ طیّب نہیں ہے۔ پس ہر خبیث شے حرام ہے خواہ وہ خبیث باہر کے اسباب و ذرائع سے اس میں آیا ہو اور خواہ اس کے اندر موجود ہو۔"

اس کے علاوہ قرآنِ پاک نے بڑی سختی کے ساتھ مال و دولت کے احتکار اور اکتناز کو منع فرمایا ہے تاکہ دولت کی گردش رُک کر عام لوگوں کی زندگی کو خستہ حال نہ کر دے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ	اور جو لوگ خزانہ بنا کر رکھتے ہیں سونے اور
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ	چاندی کو اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ
اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ	نہیں کرتے تو اُن کو دردناک عذاب کی
اَلِيْمٍ۔ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ	خوشخبری دے دو جس روز کہ اس مال پر جہنم
نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا	کی آگ دہکائی جائے گی۔ پھر اس سے اُن
جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ	کی پیشانیاں، ان کے پہلو اور پیٹھ کو داغا
هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ	جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ
فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ	خزانہ جو تم نے اپنے واسطے جمع کر رکھا تھا
(توبہ: ۵)	اور اب اس کے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔

Marfat.com

اسی طرح قرآنِ پاک نے خرچ پر بھی پابندی عائد کر دی ہے تاکہ سماج کا کوئی طبقہ اپنی دولت کو عیش و عشرت میں ضائع نہ کرے۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا — کھاؤ پیو اور اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا (اعراف ۳۱) — اور فضول خرچی ہرگز نہ کرو۔

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ (۱۷ : ۳) — بلاشبہ (اخراجات میں) حد سے تجاوز کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی مرحوم فوائد القرآن میں "تبذیر" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور خدا کا دیا ہوا مال فضول خرچی میں مت اڑاؤ۔ فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کیا جائے یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کر دے جو آگے چل کر تفویت حقوق اور ارتکاب حرام کا باعث بنے۔"

اس کے ساتھ ساتھ قرآن پاک نے وہ مدیں (ITEMS) بھی بیان کر دی ہیں جن پر ایک مسلم کو اپنا مال خرچ کرنا چاہیے۔

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (۲ : ۱۹۴) — اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ (بنی اسرائیل) — اور قرابت والوں اور مسکین اور مسافروں کو ان کا حق دو۔

Marfat.com

وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۔ (۵۱:۱۹) اور ان کے اموال میں ضرورتمند اور تنگدست لوگوں کا حصہ ہے

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ (الانعام:۱۴۱) اور کھیتی کٹنے کے وقت اس کا حق ادا کرو۔

یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۔ (البقرہ:۲۶) وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں۔ کہہ دیجیے مال میں سے جو کچھ بھی خرچ کرو پس والدین کے لیے ہو اور قرابت والوں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے۔ اور جو نیکی بھی تم کرو بلاشبہ اللہ جاننے والا ہے۔

ان آیات سے اسلام کے نظام مالیات کا بھی ایک ہلکا سا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تھیاکریسی میں امرا، جو بالعموم مذہبی طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں، ہر قسم کے ٹیکس کی ادائیگی سے آزاد ہوتے ہیں۔ اور محاصل کا سارا بوجھ تنہا غربا کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام میں یہ ذمہ داری انہی لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو فارغ البال ہوں۔ یہاں مفلسوں کے افلاس اور ان کی کمزوری سے ناجائز فائدہ حاصل نہیں کیا جاتا بلکہ حکومت پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ امرائے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کر کے انہیں غربا کی فلاح و بہبود پر صرف کرے۔ زکوٰۃ کی اصلی غرض و

غایت خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمائی ہے ۔

توخذ من اغنیاءھم فترد علیٰ فقراءھم۔

مالداروں سے لی جائے اور ناداروں میں بانٹی جائے ۔

ان تصریحات کے بعد یہ حقیقت خود بخود منکشف ہو جاتی ہے کہ اسلام نے جو معاشی نظام پیش کیا ہے وہ تھیاکریسی سے بالکل مختلف ہے ۔ ایک صحیح مسلم سوسائٹی میں کسی طبقہ یا فرد کے لیے کبریائی کے ٹھاٹھ قائم کرنے کے لیے کوئی موقع نہیں ۔ اس میں فرد جس قدر بھی زیادہ کماتا ہے اسی نسبت سے اس کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوتا ہے اور اس لیے وہ انفاق پر مجبور رہتا ہے ۔ اس لیے ایک مسلم معاشرہ میں یہ صورتِ حالات پیدا نہیں ہو سکتی کہ سادہ لوح عوام تو دن رات محنت کر کے کمائیں اور ان کی کمائی پر ایک طبقہ مذہب کی آڑ لے کر عیش و آرام کرتا رہے ۔

Marfat.com

کتابیات

اس کتاب میں قرآنی آیات کے جس قدر تراجم درج ہیں وہ زیادہ تر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفسیر تفہیم القرآن سے مستعار لیے ہیں۔

(۱)۔ ابن کثیر دمشقی:۔

● تفسیر القرآن العظیم

(۲) علامہ شبیر احمد عثمانی:

● فوائد القرآن

(۳) مولانا اشرف علی تھانوی

● بیان القرآن

(۴) مولانا ابوالکلام آزاد

● ترجمان القرآن

(۵) قاضی ابو یوسف

● کتاب الخراج

(۶) حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی

● حجۃ اللہ البالغہ

(۷) مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

(۱) تفہیم القرآن

(۲) اسلام کا نظریۂ ریاست

(۳) اسلامی دستور کی تدوین

(۴) اسلامی قانون

(۸) مولانا امین احسن اصلاحی

(۱) اسلامی ریاست

(۲) حقیقت شرک

(۹) شبلی نعمانی

الفاروق

(۱۰) مولانا سید سلیمان ندوی

خطباتِ مدراس

(۱۱) ڈاکٹر محمد اقبالؒ

ملتِ بیضاء پر ایک عمرانی نظر ترجمہ مولانا ظفر علی خاں

(۱۲) ڈاکٹر گیستاؤ لبوں

تمدنِ عرب ترجمہ از سید علی بلگرامی

(۱۳) لیکی :۔ "تاریخ اخلاق یورپ ترجمہ از مولانا عبدالماجد دریابادی

(۱۴) ڈریپر

(۱۵) معرکہ مذہب وسائنس۔ ترجمہ مولانا ظفر علی خاں

(۱۶) مولانا ابوالحسن ندوی

(۱) مذہب و تمدن

(۲) مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا۔

(۱۷) ڈاکٹر حمید اللہ

رسول اکرم کی سیاسی زندگی

(۱۸) محمد مجیب

تاریخ فلسفہ و سیاسیات

(۱۹) عبدالوحید، خان

تاریخ افکار سیاسیات اسلامی

(۲۰) ڈاکٹر یوسف الدین

اسلام کے معاشی نظریے

مندرجہ ذیل رسائل اور جرائد سے بھی استفادہ کیا گیا

(۱) ہفت روزہ ترجمان القرآن لاہور

(۲) ماہنامہ چراغ راہ کراچی

(۳) ماہنامہ فاران کراچی

Marfat.com

(۴) ماہنامہ زندگی رامپور

(۵) ماہنامہ الفرقان لکھنو

(۶) ہفت روزہ صدقِ جدید لکھنؤ

English

1. Sir Thomas Arnold : The Legacy of Islam.
2. J. K. Bluntschli : The Theory of the State.
3. Ernest Barker : Church, State and the Study
4. Robert Briffault : The Making of Humanity
5. William Barry : The Papal Manarchy
6. Collins : Unity, Catholic and Papal
7. Alfred Cobban : Dictatorship
8. Will Durrant : The Age of Faith
9. Ducoudrays : History of Modern Civilization.

Marfat.com

10. Dr. Hameedullah : The Muslims Conduct of State.

11. Jhon Neville Figgis : Tne Political Aspect of St. Augustines City of God.

12. Mohammad Iqbal : The Reconstruction of Religious Thought in Islam.

13. Abdul Latif : Islamic Cultural Studies

14. Marmuduke Picthall : Islamic Culture

15. Ranke : The History of Popes

16. Plato : Republic

17. Charles Lea : A History of Inquisitions of Middle Ages.

Magazines

1, Muhammad Asad : "Arafat"

2. Fazal-ur-Rehman Ansari : The Voice of Islam.

Marfat.com